بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلجھاتے ہو بے کار یہ پیچیدہ لکیریں
یہ نقش غلط ہے تو مٹا کیوں نہیں دیتے!

'اپنی' جمہوریت.........

یہ تو دنیا نہ آخرت!

مبشر حسن

اپنی جمہوریت.....

یہ تو دنیا نہ آخرت!

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طریق کار سے اختلاف

ملک میں اسلام لانے کے لئے جمہوری راستہ اختیار کرنا شریعت کی رو سے درست نہیں زیر نظر کتابچہ اس دعوی کے اثبات کی ایک کوشش ہے مگر پہلے ایک ضروری وضاحت.......

کسی طریق کار سے اختلاف ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ جس کسی مسلمان نے وہ طریق کار اپنا رکھا ہے آدمی اس سے نیک نیتی کا گمان تک نہ رکھے نیک نیتی کا گمان رکھنے کا بھی البتہ یہ تقاضا نہیں کہ غلط کو غلط کہنا ہی موقوف ہو جائے اور صاف گوئی ممنوع ٹھہرے اختلاف اور حسن ظن آپس میں ہرگز متارض نہیں۔

چنانچہ یہ سمجھنا ہمارے نزدیک درست نہیں کہ جو اسلامی جماعتیں انتخابی سیاست میں شریک ہوئیں وہ سب کی سب مغرب سے کوئی بہت زیادہ متاثر تھیں یا مغرب کے نظریات اپنانے کا غیر معمولی شوق رکھتی تھیں یا مغرب سے آئے ہوئے اس نظام کو من وعن قبول کر لینے پر راضی تھیں۔

ہمارا تجزیہ ہے کہ ان سب مخلص طبقوں نے یہ دیکھا کہ تبدیلی لانے کا اس نظام کے اندر جائے بغیر کوئی اور ذریعہ نہیں اورانہوں نے محسوس کیا کہ اس نظام کے تمام ترعیوب کے باوجود اس میں اس بات کی گنجائش ہے کہ ہر کوئی اندر آنے کے بعد اس پر اثر انداز ہو سکے اور عوامی قوت کے بل بوتے پر اس کا رخ بدل سکے۔ یوں اس نظام کی ناپسندیدگی کے احساس اور اسے تبدیل کر دینے کے جذبے نے ان نیک حضرات کو اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے پر آمادہ کیا۔ نہ اس کے پیچھے مغرب کی عقیدت کارفرما تھی اور نہ اسلام سے بے وفائی کا خیال۔

ہم اپنے بھائیوں کے بارے میں واقعتاً یہی یقین رکھتے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ اس نظام کی یہ خوبی کہ ہر کوئی اندر آ کر اس نظام پر اثر انداز ہوسکتا ہے اور عوامی قوت کے بل بوتے پر اس کا رخ تبدیل کرسکتا ہے، ایک خاص حد تک درست ہونے کے باوجود اسلام پسندوں کے حق میں چکما ثابت ہوئی۔ اس نظام میں یہ اگر کوئی خوبی ہے تو یہ خوبی خود اسی کے حق میں استعمال ہونے کے لئے رکھی گئی ہے نہ کہ اس کی موت واقع کرنے کے لئے۔ اور یہ واقعہ بھی ہے۔ کہ عالم اسلام میں جہاں بھی اس کی یہ خوبی اس کی کمزوری بنتی دکھائی دی اور اس کمزوری کے سبب اس کی موت واقع ہوتی نظر آئی بلکہ جہاں یہ اس کی خرابیٔ صحت کا باعث بھی بنتی محسوس ہوئی وہیں اس کا سدباب بڑی عمدگی سے کر دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ 'جمہوریت' کے بڑوں نے اپنے اس نظام کو اس 'عیاشی' کا متحمل کبھی نہیں کہ اسلام پسند اس کے جاذب نظر اصولوں کو جیسے چاہیں اپنے دینی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے آخری حد تک استعمال کریں۔ ایسا منصفانہ کھیل مغرب نے ہمارے ساتھ تو کیا آج تک کبھی

کسی کے ساتھ بھی نہیں کھیلا۔ چنانچہ 'جمہوریت' کی یہ کوئی خوبی ہے تو خود اسی کے حق میں رہنے کے لئے ہے۔ ہمارے حق میں یہ ایک فریب ہے یا کوئی سراب۔

چنانچہ یہاں ہمارا موضوع انتخابی عمل میں اسلام پسندوں کی شرکت ضروری ہوگیا ہے مگر اس کے باوجود ہمیں یہ پسند نہیں کہ ہماری یہ ساری تنقید محض ایک انتخابی عمل میں شرکت تک محدود سمجھ لی جائے۔ ہماری یہ تنقید یوں سمجھئے باطل نظام کے ساتھ ہر طرح کی شراکت اور تعاون پر ہے۔ پھر جب ہم باطل کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ہماری مراد بھی صرف یہاں کا سیاسی عمل نہیں بلکہ باطل کا پورا وجود ہے مزید براں ہماری اس گفتگو کا مقصد دینی طبقے میں وقت کے باطل نظام کی جانب ایک 'بے رغبتی' پیدا کر دینا نہیں بلکہ اس نظام کے باحسن طریق خاتمہ کی دعوت دینا ہے۔

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہاں ہمارا موضوع بحث ملک کا سیاسی نظام ضرور ہے مگر ہمارا ہدف سیاسی عمل میں شریک دینی جماعتیں ہرگز نہیں۔ ان کے طریق عمل سے اگر ہمیں اختلاف ہے اور ہمیں اس پر کچھ کلام ہے تو یہ اختلاف اور اعتراض ہمیں ہر اس طریق عمل پر ہے جو دانستہ یا نادانستہ اسلام اور جاہلیت کو قریب لے آنے کا سبب بنتا ہے، خواہ وہ سیاست میں شرکت کے ذریعے ہو یا کسی اور انداز میں باطل کے ساتھ رسم وراہ پیدا کر لینے سے۔

☆☆☆☆☆

حقیقی اہداف کا تعین کئے بغیر چارہ نہیں

ساٹھ اور ستر کی دہائی میں پاکستانی قوم کو اسلام آجانے کی بابت انتخابی تجربے سے بہت زیادہ امید لگ گئی تھی اور پھر اسی اور نوے کی دہائی میں امید کا یہ گراف آہستہ آہستہ محسوس حد تک نیچے آگیا۔ اس کی وجہ یہ تو بہرحال نہیں کہ پاکستانی قوم میں مجموعی طور پر دینداری اور اسلام کی محبت میں کمی آئی ہے یا یہ کہ اسلام کے شاندار مستقبل سے لگاؤ باقی نہیں رہا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ قوم کو اس تجربے سے اسلام آجانے کی اب کوئی بڑی آس نہیں رہ گئی۔ ظاہر ہے کہ عوام تو عوام ہیں ایک کام کئی بار کریں، ہر بار ایک سنسنی خیز فتح پانے کی امید رکھیں اور کسی بار بھی مطلوب ہدف حاصل نہ ہو بلکہ مطلوبہ ہدف دور دور کہیں نظر تک نہ آئے۔ تو رفتہ رفتہ اس عمل میں دلچسپی کم ہو جانا کوئی غیر متوقع بات نہیں۔ یہ افسوسناک ہے مگر غیر طبعی نہیں۔

یہ تو عوام کا حال تھا۔ نوجوانوں کا معاملہ کچھ اس بھی بڑھ کر توجہ طلب ہے۔ ان میں کچھ کرنے کرانے کو جذبہ عوام سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ نوجوانوں کی کچھ خاص فکری اور علمی تربیت نہ ہوئی ہو تو وہ صرف ان چیزوں میں دلچسپی لیتے ہیں جو بظاہر بہت زود اثر اور انتہائی نتیجہ خیز ہوں۔ علاوہ ازیں نوجوانوں کو توجہ عموماً اس طرف کو جاتی ہے جہاں زور شور سے کچھ ہو رہا ہو۔ چنانچہ پچھلے کچھ عرصے کے دوران نوجوانوں میں ایک بڑی سطح پر جمہوری عمل کے متبادل راستوں کی جانب رخ کرنے کا رجحان تیزی سے بڑھا ہے۔ چاہے

یہ راستہ ان کو ملک سے ہی باہر لے جاتا ہوں اور یہاں کے مسائل سے کلی طور پر ہی بے خبر کر دیتے ہوں۔

چنانچہ یہ ایک ردعمل کا نتیجہ ہے کہ ملک میں کسی بھی راہ سے تبدیلی لانے کے سوال پر ہمارے نوجوانوں میں اب ایک بے دلی سی پائی جانے لگی ہے اور غلبہ اسلام کی بابت ان کی جو امیدیں تھیں وہ بڑی حد تک شاید اور خطہ ہائے زمین سے وابستہ کی جانے لگی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ پچھلی دو دہائیوں میں صالح نوجوانوں کے اندر ملکی حقائق سے فرار کی ذہنیت نے خاصی حد تک جنم لیا ہے اور یہ ذہنیت برابر ترقی کرتی جا رہی ہے تو یہ کہنے میں شاید کوئی خلاف حقیقت بات نہ ہو۔

حقیقی اہداف کو متعین کئے بغیر اور ان پر ایک طویل مدت تک امت کی تربیت کئے بغیر آگے بڑھنے کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں۔ اس کے سوا جو راستے نظر آتے ہیں دس بیس سال بعد وہ آگے جا کر کہیں نہ کہیں بند ہو جاتے ہیں۔

یہ بات اگر درست ہے تو اسے مدنظر رکھنے کی ضرورت پھر صرف سیاسی میدان کی دینی جماعتوں کو ہی نہیں بلکہ سب دینی جماعتوں کو ہے بے وقتی اہداف اور جزوی مسائل پر ضرور توجہ دیجئے مگر اس پر امت کے عملیت پسند طبقے کی تمام تر توجہ لے لینے کا منہج درست نہیں۔ اس منہج کے نتیجے میں اب تک ہوتا یہ آیا ہے کہ امت کے عملیت پسند طبقے کی توجہ اور ترجیحات کا محور ہر چند سال یا دہائیوں بعد ایک مسئلے سے تبدیل ہو کر دوسرے مسئلے پر آ تا رہتا ہے۔ یوں قوم کے جذبات کو چند عشروں بعد ایک بالکل نیا رخ مل جاتا ہے۔ نتیجتاً جوش عمل کی رونقیں بحال رہتی ہیں مگر قوم جہاں تھی مجموعی طور پر وہیں کھڑی رہتی ہے۔ یوں کہئے کہ قوم چلتی بہت ہے مگر پہنچتی کہیں نہیں۔

جمہوریت کے اجزائے ترکیبی

اسلام جمہوریت کو کن بنیادوں پر مسترد کرتا ہے اس کا احاطہ اس مختصر مضمون میں مشکل ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ اکثریت کی حکمرانی۔

۲۔ گروہ بندی اور پارٹی بازی۔

۳۔ باہمی رقابت (اخوت اسلامی کا پارہ پارہ ہونا)۔

۴۔ عالم اور جاہل کی یکسانیت۔

۵۔ رائے دہندگی میں نیک اور بد کی تمیز اور فاسقوں اور فاجروں کا اقتدار تک پہنچنا آسان ہونا۔

۶۔ مرد اور عورت کا یکساں حق رائے دہندگی و حق حکمرانی۔

۷۔ دولت اور سیاہ دھن کے غلط استعمال۔ (یورپی ملک تک اس سے محفوظ نہیں)۔

۸۔ جہالت زدہ اور پسماندہ طبقوں کا استحصال۔

۹۔میڈیا جیسی اندھی قوت کا شیطانی استعمال۔(یعنی عوام الناس کو بے وقوف بنانے کے فن کا استعمال)۔

۱۰۔برادری اور طبقاتی تعصب کو ہوا دی جانا۔

۱۱۔انسانوں کو قانون سازی کا حق ہونا۔

۱۲۔دین اور دنیا کی تقسیم (سیکولرازم جس کے بغیر جمہوریت آج تک کہیں چل ہی نہیں سکی)۔

۱۳۔مغربی قوموں کی مشابہت اور ان کے پیروی کے کلچر کو فروغ۔

۱۴۔اسلامی شعائر (مانند شوری و بیعت) کا مسخ کیا جانا۔

۱۵۔عقیدہ قومیت پر ایمان لازم آنا۔

۱۶۔عقیدہ قومیت کو قبول کر لینے سے عقیدہ جہاد کا واضح انکار اور تعطل لازم آنا۔

۱۷۔مسلم اور غیر مسلم دونوں کو ایک قوم، ایک وحدت برادری ماننا اور ان میں اتحاد، یکجہتی اور یگانگت کی ضرورت کو تسلیم کرنا جس سے عقیدہ ولا و برا کا انکار لازم آتا ہے۔

۱۸۔وطنیت (وطن سے وفاداری اور وطن پر جان دینے کا عقیدہ)۔

۱۹۔سرحدوں پر ایمان۔

۲۰۔عالمی برادری اور ملت اقوام کا حصہ ہونے کا تصور۔

اب آپ اگر جمہوریت کو اسلام سے آہنگ کرنے چلے ہیں تو ذرا اس فہرست پر نگاہ ڈال لیجئے۔جمہوریت کے ان بنیادی اجزاء کو ایک نظر دیکھئے اور پھر کہئے کہ اسلام میں داخل کرنے کے لئے آپ جمہوریت کا آخر کیا کیا نکالیں گے؟

کہیں ایسا تو نہیں ہمارے مسلم معاشروں میں جمہوریت کو اسلام سے ہم آہنگ کرتے کرتے اسلام کو ہی جمہوریت سے ہم آہنگ کر دیا گیا ہو؟ ایسا تو نہیں کہ ہمیں کفار سے کچھ لیتے لیتے الٹا بہت کچھ دینا پڑ گیا ہو؟

یہود کے ساتھ معاملہ (deal) کرنا یہاں کسے مہنگا نہیں پڑا!!!

☆☆☆☆☆

جمہوریت محض ایک انتظامی طریق کار نہیں

جمہورے کے ان بنیادی عناصر پر غور کرنے سے یہ واضح ہونا مشکل نہیں کہ جمہوریت نرا پرا ایک 'انتظامی' طریق کار نہیں بلکہ یہ ایک باقاعدہ نظریہ، فلسفہ، دین اور نظام ہے۔اس کے پیچھے زندگی کا ایک باقاعدہ سماجی فلسفہ اور عمرانی عقیدہ کارفرما ہے، ہمیں اگر یہ 'دین' نظر نہیں آتا اور اس لئے ہم اسے 'کلمہ' پڑھا کر داخل اسلام کرنے کی ضرورت سمجھ لیتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ

دراصل 'دین' کا تصور ہمارے ہاں کسی وجہ سے محدود ہو گیا ہے۔مغرب کو اسے قبول کرنے میں واقعی کو مسئلہ نہیں کیونکہ ان کے ہاں 'دین' کی پوری گنجائش ہے۔سو یہ خانہ وہ دین سے جمہوریت سے پر کر لیتے ہیں۔ ہندوؤں کو اسے قبول کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں کیونکہ ان کا 'مذہبی' دین صرف پوجا پاٹ ہے اور اجتماعی وسماجی زندگی میں 'دین' کا خانہ مکمل طور پر خالی ہے۔سو یہاں بھی کسی اور 'دین' کے سما جانے کی پوری جگہ ہے۔لہٰذا ہندوؤں کو بھی جمہوری 'دین' قبول کرنے میں کیا مانع ہوسکتا ہے۔ بلکہ ہندوؤں اور عیسائیوں ہی کی کیا بات دنیا کی سبھی اقوام ہی دین جمہوریت اپنا ئیں تو ان کا یہ کام کرنا بنتا ہے۔ایک طرف ان کے ہاں اس کی پوری گنجائش دوسری طرف زمانے کا یہی فیشن۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ پچھلی تین چار صدیوں میں مغرب کے ہاں بہت سے سماجی'ادیان کی پرورش ہوئی ہے۔ چونکہ کلیسا سے بھاگے ہوئے لوگ ہیں لہٰذا اسے مذہبی رنگ دینے سے بچنے کے لئے یہ عقیدہ کی جگہ 'نظریہ' اور دین کی جگہ نظام استعمال کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ باقاعدہ عقائد وادیان ہیں اور ظاہر ہے کہ باطل عقائد اور ادیان ہیں۔کیپٹل ازم،سوشل ازم،آزادی فکر ،آزادی نسواں مساوات مردوزن ،قومیت ،ریاست (Nation State)،عالمی اخوت وبرادری (World Community)،اباحیت ،جمہوریت ،وطنیت (Partiotism)،انسانی پرستی (Humanism)،سیکولرازم ،وغیرہ وغیرہ سب دور جدید کے ادیان ہیں جو مذہب چرچ میں بند کر دینے کے بعد یورپی معاشروں نے اپنے لئے ایجاد کئے اور پھر پوری دنیا پر اس شریعت کی پیروی لازم کر دی۔

ہر باطل مذہب کی طرح ان جدید مذاہب میں بھی بہت سے اچھے اچھے اور اسلام سے مشترک پہلو پائے جاتے ہیں مگر قدیم مذاہب کی طرح ان جدید مذاہب پر بھی ہمیں یہ دیکھنے کے لئے وقت برباد کرنے کی ضرورت نہ تھی کہ ان میں سے کیا چیز ہمیں لینی ہے اور کیا چیز چھوڑنی ہے، ہمارے دین کی تعلیم اس بارے میں بہت سادہ ہے، اور بہت واضح ہے، ہمیں ان مذاہب سے کچھ بھی نہیں لینا، سبھی کچھ چھوڑنا ہے، ان میں اگر کوئی خیر ہے اور ظاہر ہے کچھ نہ کچھ خیر ہر باطل میں ہونی چاہیئے تو وہ خیر ہمارے دین میں آپ سے آپ اور پہلے سے موجود ہے۔اس کے لئے ہمیں باہر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ خیر ہمیں اپنے ہی دین پر چلتے ہوئے وافر طور پر خود بخود مل جائے گی۔ کسی خیر کے لئے اور اسلام کی کسی اچھی بات کے لئے آخر ہمیں مغرب کے کسی نظام یا اصلاح کا حوالہ دینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہم ایک خود کفیل قوم ہیں دوسرے ہمارا حوالہ دیں تو سو بار دیں مگر چونکہ ے احساس کمتری کی علامت ہے لہٰذا اس تاریخی حقیقت کے باوجود کہ انہوں نے اسلام سے بہت کچھ لیا تب جا کر اپنے تاریک دور Dark ages سے باہر آسکے پھر بھی حرام ہے جو وہ اپنے کسی نظریے یا اپنے کسی نظام کے لئے اسلام کا کوئی حوالہ دینے کے آج تک کبھی روادار ہوئے ہوں۔ پھر کیا ہمیں ہی کوئی مجبوری لاحق ہے؟؟؟ ہمیں ہی کوئی مسئلہ ہے کہ اپنے دین کے اچھے اچھے اور خوبصورت پہلوؤں کیلئے یورپ کے کوڑے میں حوالے تلاش کرتے پھریں!؟ اللہ تعالیٰ ہمیں الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم

الاسلام دینا کی عزت دے مگر ہم اپنی فکری پہچان کی تلاش میں یورپ کی خاک چھانتے پھریں! اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے دین کا تعارف فی صحف مکرمة مرفوعة مطهرة بایدی سفرة کرام بررة کہہ کر کرائے اور ہم اپنی سیاسی یا سماجی یا اجتماعی شناخت کے لئے مغرب کے دست نگر ہوں۔ اصطلاحات مستعار لینے کا مطلب تو یہ ہوا کہ یورپ کیلئے برتری اور اپنے لئے کمتری کا حق ہم خود اپنے اپنے ہی منہ سے تسلیم کر لیں۔ پھر ایسی حالت میں عزت و برتری اپنے آپ ہی ہماری جھولی میں آ پڑے، کیسے ممکن ہے!

اسلامی جمہوریت کا فلسفہ

مغربی جمہوریت مغرب میں پائی جاتی ہوگی، مان لیا، ہمارے ہاں پائے جانے والی جمہوریت کوئی مغربی جمہوریت نہیں، یہ ماننے میں بھی ہمیں تامل نہیں مغربی نہیں تو ہماری بلا سے مشرقی ہوگی۔ اگرچہ اس کا مناسب نام شاید تھرڈ ورلڈ کی جمہوریت ہوسکتا ہے۔ مگر ناموں کے بحث پر ہمیں اصرار ہی نہیں، آپ اس کو کوئی نام دے لیں اس پر ہمارے معترض ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہونی چاہیے، البتہ جب آپ اس کے ساتھ لفظ اسلام چسپاں کریں گے تو اس پر ایک مسلمان کا تکلیف محسوس کرنا ایک فطری امر ہے۔ آسمان سے اترنے والا بابرکت اور پاکیزہ دین اول تو ان پراگندہ افکار سے ملا دینا ہی ظلم ہے جو چرچ سے بھاگی ہوئی اقوام آج تک اپنے لادین معاشروں کو چلانے کے لئے اپنے ملکوں میں آزماتی چلی آئی ہیں۔ خود یہ بات بھی کسی عظیم ظلم سے کم نہیں۔ مگر ستم بالائے ستم دیکھئے کہ اسلام کو اس نظام سے جسے جمہوریت کے پرستار خود بھی جمہوریت کا مذاق قرار دیں۔

اپنی باقی مصنوعات کی طرح مغربی اقوام نے اپنا وہ اصل سیاسی نظام بھی ہمیں کب دیا ہے جو ان کے اپنے ہاں رائج ہے۔ اپنے اس نظام کا بھی تھرڈ کلاس ایڈیشن جو انہوں نے تھرڈ ورلڈ کی اقوام کے لائق سمجھا، جو کہ بنیادی طور پر تیسری دنیا میں پس استعمار (Post Colonialism) دور کیلئے استعمار کا قائم کیا ہوا ایک ہنگامی نظام تھا..... اور جو کہ دراصل ان معاشروں میں بدانتظامی برقرار رکھنے کی ایک صورت تھی.... 'جمہوریت' کا ایڈیشن جو صرف تیسری دنیا کیلئے روا رکھا گیا ہے تا کہ دیکھنے والے کو آقا اور غلام کا فرق دور سے نظر آئے... مغربی قوموں کی ڈنڈی ماری کی اس بدترین مثال کو ہم صرف اس لئے 'اسلامی جمہوریت' مان لیں کہ اسلام سے متعلق کچھ 'دفعات' رکھ کر تھرڈ ورلڈ کے ساتھ ساتھ اس میں اسلام کے ساتھ بھی کچھ مذاق کیا گیا ہے!؟؟

کس قدر عجیب غلط مبحث ہے۔ اسلام کو جوڑا بھی گیا تو کس جمہوریت سے! ہم بھی کیا سادہ ہیں کہ وہ جمہوریت جو دل کے بہلاوے کے لئے تیسری دنیا کی پسماندہ اقوام کو محض ایک کھلونے کے طور پر ملی ہم اس کے لئے قرآن وحدیث کے حوالے تلاش کرتے رہے! کتنا تعجب ہوتا ہے جب آپ سنتے ہیں کہ حضرت یہ جمہوریت تو ہے مگر وہ جمہوریت نہیں جو آپ سمجھتے ہیں۔ وہ جمہوریت مغرب میں پائی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں اور طرح کی جمہوریت ہے!

بالکل درست۔آپ چاہیں تو آپ کو وہ جمہوریت نہیں مل سکتی 'جو مغرب' میں پائی جاتی ہے،اس جمہوریت کے قابل اللہ کی ایک ہی مخلوق سمجھی گئی ہے اور وہ دنیا کی گوری اقوام ہیں۔آپ کو جمہوریت کے نام پر کچھ اور ملا ہے۔تیسری دنیا بھی عجیب ہے۔مغرب کی اترن پہننے پر بھی فخر کر لیتی ہے چاہے اس کے بقول ایک شاعر روح میں بوئے کفن ہی کیوں نہ اتر جائے۔

مغرب کے ہاں جو جمہوریت پائی جاتی ہے آپ کو بھی واقعی میسر ہوتی تو اس سے چلیں گناہ لازم آتا مگر آپ کی دنیا تو کچھ سنورتی! آپ کی آخرت جاتی مگر مغربی اقوام کی طرح آپ کے غریب پیٹ بھر کر تو کھاتے! یہ تو دنیا نہ آخرت! اس جمہوریت کا کوئی سر نہ پیر! افسوس کہ اسلام کے حصے میں آیا تو کیا آیا **الکم الذکر وله الانثی تلک اذا قسمة ضیزی**.

ہمیں اگر چہ اصل جمہوریت کی بھی احتیاج نہیں تھی مگر جمہوریت کے نام پر جو ہمیں ملا یہ تو نرا جھانسہ تھا۔یہ خواہ مخواہ اور مفت میں ہم پر احسان ہوا۔اس میں اور آئی ایم ایف کے 'رحمدلانہ' قرضے میں کوئی جوہری فرق نہیں۔دونوں ہماری اپنی ہی جہالت اور پسماندگی کا خمیازہ ہیں اور برسوں تک رہنے والی ایک غلام ذہنیت کا شاخسانہ۔ہمارے دین نے تو ولاء اور براء کا عقیدہ سکھا کر ہمارے فکری اور سماجی استحصال کے سب راستے ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے تھے۔مگر کوئی اپنی ہی پسماندگی سے مار کھانے پر اصرار کرے تو اس کا کسی کے پاس کیا حل ہے؟

یہ جمہوریت لیکر ہم بھی خوش اور مغرب بھی خوش! اب کیا مسئلہ باقی ہے!؟

☆☆☆☆☆

تا کہ ہمیں اپنی اوقات یاد رہے!

مغرب کو اپنی اصل جمہوریت میں ہمارے ساتھ حصہ بٹانا گوارا نہ تھا تو پھر تیسری دنیا اور بطور خاص ہمارے مسلم ملکوں میں اس نے جمہوریت کا چکر چلایا ہی کیوں؟ یہ ایک حقیقت ہے کہ مغرب اگر ایسا نہ کرتا تو آپ سے آپ ہم خودشناسی کی طرف بڑھنے لگتے۔ہمیں اپنے اسلاف کا ورثہ کھنگالنے کی ضرورت محسوس ہوتی۔فکری خود انحصاری اور نظریاتی خود کفالت کی جانب ہمارا راستہ خود بخود صاف ہونے لگتا اور یوں مغرب کی یہ فکری اور ثقافتی برتری خطرے میں پڑ جاتی۔مغرب ہمیں اپنی یہ اترن نہ پہناتا اور جمہوریت کے اس چکر میں ڈالتا تو ہم اپنی سوچ اور فکر میں آزاد ہو جاتے عالم اسلام میں اپنے اصل ورثہ کی تلاش شروع ہو جاتا اور اس امت کی فکری خود اعتمادی کی لہر دوڑ جانا کیا مغرب کیلئے کوئی چھوٹا سا خطرہ ہے؟ ہمارے بچے جوتے کا ایک تسمہ تک اللہ سے مانگنے کے سبق پڑھنے لگیں اور دین و دنیا کے ہر مسئلے میں ہدایت کی تلاش مغربی صحیفوں کی بجائے صرف قرآن میں کرنے کی راہ پر چل پڑیں، مغرب کی تو اس سے نیندیں حرام ہو سکتی ہیں۔وہ اپنی مصنوعات پھر کسے بیچے گا!؟؟

مگر اس مقصد کے لئے مغرب ہمیں اپنی اصل جمہوریت کی شکل دکھانے کے لئے بھی تیار ہو جائیگا، یہ ہماری خام خیالی ہے

،جوروٹی وہ اپنے بچوں کے لئے پکائے اس میں ہمیں شریک کرے،اسے ثواب تونہیں کمانا! ہمارا آپ اپنے پیروں پر کھڑے ہوجانا بھی اسے گوارانہیں یہ اس کے لئے ایک بھیانک خواب ہے مگر ہم بھی اسی دسترخوان سے حظ اٹھائیں جس پر وہ خودتشریف رکھتا ہے۔یہ بھی وہ کیسے ہونے دے۔اور پھر ہماری بسراوقات جب بچے کھچے پر ہوجاتی ہے تو وہ اس پر خوامخواہ کیوں پریشان ہوتا رہے؟ یہ پریشانی تو خود ہمیں نہیں!!!

☆☆☆☆☆

ʃʃκμ | ⇔θ

ہمارے زوال اور استحصال کی کہانی

’ہمارے ساتھ برا ہوا ہے‘ یہ شکایت اب یہاں ہمارے بچے بچے کی زبان پر ہے۔پتہ چلتا ہے کہ قوم نے ایک بات سمجھی ہے! یہ کوئی عقدہ نہیں تھا مگر اسے کھلنے میں ہمارے پچاس سال لگے۔مگر ہمارے ساتھ یہ برا ہوا کیسے؟اس لیے شاید ہمیں اور بھی لا متناہی وقت درکار رہے۔اپنے دین کی حقیقت سے قوم کو لاعلم رہنے دینا کتنا بڑا ظلم ہے!

ہمارے ساتھ یہ کیسے ہوا؟اس پر کچھ بات کرنے کیلئے ماضی قریب کی تاریخ میں ہمیں ذرا پیچھے جانا پڑے گا۔

’’مغربی جمہوریت‘مغرب ایک بنیادی ضرورت سہی مگر ہم غریب اور ترقی پذیر معاشروں کیلئے اس کی نظر میں یہ ایک عیاشی ہے جسے ہمیں مہیا کرنے کا وہ خود کو کبھی متحمل نہیں پاتا۔خود مغربی جمہوریت میں بھی ضرور اچھے اور برے دونوں پہلو پائے جاتے ہونگے مگر ہمارے لئے اس کے پاس صرف چھان بچتا ہے۔جمہوریت کفر سہی پھر بھی اس میں کچھ ذائقہ ہو۔برے پہلوؤں کے ساتھ کچھ اچھے پہلو بھی تو ہم سنتے آئے ہیں مگر ’ہماری جمہوریت‘ میں وہ کہاں گئے؟ ہمارے حصے میں آخر کنکر ہی کیوں آئے؟ یہودی اور عیسائی ہمارے ساتھ ہاتھ کر گئے!واللہ وہ اس قابل کہاں تھے۔ہم نے آپ اپنے ساتھ ہاتھ کرلیا۔ہمارے اسلاف کا پالا بھی تو انہی سپر طاقتوں سے پڑا تھا۔تب بھی یہی یہودی اور عیسائی تھے۔مگر ہمارے بڑے ان کی اوقات پہچان گئے تھے کیونکہ وہ قرآن پڑھتے تھے۔قرآن پڑھنے سے یہ سب باتیں خود بخود معلوم ہوجاتی ہیں۔یہود ونصاری کے سب راز فاش ہوجاتے ہیں۔ان کے بس کی گانٹھ مرجاتی ہے اور یہ بے دست و پا ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اس قرآن سے اور اپنے اسلاف سے منہ موڑ کر ہم نے فکر ونظر اور علم وتہذیب کے میدانوں میں آپ اپنے لئے جو یتیمی اختیار کرلی تو پوری دنیا کا ہم پر شیر ہوجانا ایک طبعی امر تھا۔اب وہ نہیں ہم بے دست و پا ہو چکے تھے۔تب ہر قوم کو اپنی پرائی ضدیں نکالنے کا خیال آیا۔ہزار ہزار سال کی محکومی کے بدلے چکانے کی نوبت آئی۔اور تو اور سو سال سے ایک ہندو ہی ہم سے سنبھالے نہیں سنبھلتے۔بیسویں صدی میں کوئی ایک دم تو ان کی تعداد نہیں بڑھ گئی! دراصل ہم نے اپنا آپ خود نہتا کرلیا تھا۔ورنہ یہ سب قومیں بارہ سو

سال تک یہیں تو رہتی تھیں! کب انہوں نے ہم پر دانت نہیں پیسے؟ مگر قرآن کا سایہ جب تک ہم پر رہا بلکہ یوں کہئے جب تک ہم یتیم نہیں ہوئے سب تو میں یہیں کونوں کھدروں میں کہیں دبکی پڑی رہیں۔ تب یہ وحشی درندے اور بھیڑیے سبزی خور بنے رہنے پر مجبور تھے۔ مگر ہمارے اپنے ہی اعمال کے سبب قرآن کا سایہ اٹھنے کی دیر تھی کہ اس نایاب موقعے سے فائدہ اٹھانے کو ہر قوم دوڑی کہ کیا معلوم کب یہ امت قرآن کی طرف پلٹ آئے۔ پھر سب کو بہت جلدی تھی۔ ہر ایک ہم پر پل پڑا۔ کسی نے ہماری گردن دبوچ لی۔ کسی کے ہاتھ ہماری زمین آئی۔ کسی کے ہاتھ ہمارا پیسہ لگا اور کوئی ہمارے وسائل لے کر چلتا بنا۔ وہ تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا نتیجہ تھا کہ اس امت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے پر اللہ کی طرف سے کسی دشمن کو اختیارات نہیں دیا گیا۔ سو ہماری جان سلامت رہی تو وہ بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے اثر سے۔ ورنہ مار پڑنے میں ہمیں کوئی کسر نہیں رہی۔ پھر جب ہمیں نہتا کر دیا گیا رہا سہا سب کچھ ہم سے لے لیا گیا تو ہمیں ارزاں نرخ پر نوکر رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ نوکر کو ہر کوئی کھلاتا ہے۔ یہ دنیا کا دستور ہے مگر وہ نہیں جو مالک خود کھائے یا جو نوکر طلب کرے۔ پیٹ بھر کر دیا جائے یا کم، یہ بھی انہی کا اختیار تھا۔ ہمیں کیا مزدوری کرنی تھی؟ اپنے سب وسائل اب ہمیں اپنے ہی ہاتھ سے کھود کھود کر اور پوری محنت سے نکال نکال کر ان کے خزانے بھرنے تھے۔ ٹیکسوں سے گلے بھر بھر کر ان کو دینے تھے۔ ہم پر خود ہماری ہی نسل کے کچھ 'فرض شناس' ٹیکس کلکٹروں کو مقرر کر دیا گیا۔ کچھ دیر ہمیں اور ان کو اپنی نگرانی میں تربیت دینے کے بعد وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ ٹیکس کلکٹر رہ گئے، اپنی نوکری وہی رہی۔ تنخواہ اس سے بھی کم ہوگئی۔ کہا گیا یہ آزادی کا مول ہے۔ کس کی آزادی؟ ہمارے ٹیکس کلکٹروں کی۔ ان کی خوب چاندی بنی۔ آزادی 'انسان' کی بنیادی ضرورت ہوا کرتی ہے، سو سال تک وہ یہ بات ولایت میں پڑھ پڑھ کر آتے رہے تھے۔ ہندوستان میں کچھ عشروں کی محنت کر کے بالآخر انہوں نے ہمیں اس بات پر راضی تیار کر لیا کہ ہم انہیں انگریزوں سے 'آزادی' دلا دیں۔ ہماری سب امیدیں اپنے ان ولایت پڑھوں سے ہی وابستہ تھیں۔ ہم نے ان کے کون سے ناز نہیں اٹھائے۔ ہم نے ان سے یہ تک نہ پوچھا کہ اس منصوبے پر ہماری کیا لاگت آئے گی۔ ہم ان کو آزادی لے دی۔ ہماری اگلی پچھلی سب پونجی ملا کر بھی اس کیلئے ناکافی نکلی۔ مگر یہ کوئی واپس کرنے کی چیز تھوڑی ہے۔ ہم نے اپنے ہر دلعزیز لیڈروں کی، جنہیں ہم کندھوں پر اٹھا اٹھا کر ایوان اقتدار میں پہنچاتے رہے، اس بنیادی انسانی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قرضے اٹھائے۔ ہماری خوش قسمتی، قرضے بخوشی دے دیئے گئے۔ وہ اب ہم 'آسان' قسطوں پر اپنی تنخواہ میں کٹاتے ہیں۔ ضرورت پڑے تو اور قرضے لے لیتے ہیں۔ ہم ایک عظیم قوم، خود روکھی سوکھی کھا کر گزارا کر لیا مگر اپنے لیڈروں پر آنچ نہ آنے دی۔ ہمارے لیڈر دنیا میں فخر سے سر اٹھا کر چل سکتے ہیں اور اپنی قوم پر بجا ناز کر سکتے ہیں۔ اب بھی 'آزادی' کی تقریبات میں قوم کا جوش وخروش دیدنی ہے اور ہمارے لیڈران سرتا پیران کے ممنون!

اس کے بعد ایک سوال باقی تھا۔ آخر ہمیں پتہ کیسے چلے گا کہ 'آزادی' حاصل ہو چکی ہے؟ ہم اس طرح کیسے یقین کر لیں، اس بات کی کوئی نشانی ہونی چاہئے۔ یہ جاننا ہمارا انسانی حق مانا گیا۔ واقعی پتہ چلنا چاہئے کہ آزادی کے حصول کا واقعہ پیش آچکا ہے

۔آخر آپ نے اس کی قیمت دی ہے رسید تو ملنی چاہیئے۔ کیوں نہیں اس کے بدلے میں ہم ووٹ ڈال سکتے ہیں۔اس سے بڑی آزادی کی آخر کیا علامت ہوسکتی ہے!؟اس کے علاوہ ایک آزاد قوم کی کیا شناخت ہے؟اس کے سر پر کوئی سینگ تو نہیں ہوتے وہ ووٹ ہی تو ڈالتی ہے توق آپ دوبارڈالئے۔ کچھ طبیعت اکتا جائے تو درمیان میں ریفرنڈم کروائیے۔اپنی پسند کے جس امیدوار کو دل چاہے اور جتنی دیر تک چاہے کندھے پر اٹھا کر پھریئے جی بھر جائے تو پٹخ دیجئے، بار بار کندھے بدلئے۔اسلام پسندوں کے لئے ایک غیر مرئی چھلنی لگی ہے لہٰذا ان پر ووٹ ضائع مت کیجئے البتہ جو اسکیننگ سے گزر جائیں ان میں سے جس کا پسند ہوا انتخاب فرمائیے۔ دیواروں اور پھر راہوں پر اشتہار کی کوئی جگہ نہ چھوڑیئے۔شوق سے جتنا جی چاہے شور اٹھائیے۔اودھم مچائیے۔ یہ آپ کا اپنا ملک ہے آپ نے قربانیوں سے لیا ہے۔اس میں آزادی کے اپنے سب ارمان پورے کیجئے۔انتخابی سیاست سے کبھی دل تنگ ہی آجائے اور مارشل لاء کو آپ کا اپنا ہی جی چاہے تو اس کا بھی بندوبست ہے!

چنانچہ ایک بجٹ کی استثنا کو چھوڑ، جس پر سول کیا فوجی سب حکومتیں مجبور ہیں کہ یہ آزادی کی قیمت ہے اور اپنی جمہوریت کا بل.... جسے ہم سب کو خوشی خوشی ہی دینا ہے، ملک کا باقی کون سا ایسا مسئلہ ہے جو عوام کی مرضی اور خواہش کے بغیر طے پا جاتا ہے!؟ بلکہ کون سا معاملہ ایسا ہے جو عوام کے پرزور اصرار اور قوم کی فرمائش کے بغیر انجام پاتا ہے؟ ہم جب کسی حکمران کو لانا چاہتے ہیں تو وہ آتا ہے اس سے پہلے تو نہیں آجاتا! جتنی دیر اسے زندہ باد رکھتے ہیں اس سے زیادہ تو نہیں رہتا! جب اس کو مردہ باد بولتے ہیں اس سے تھوڑی ہی دیر بعد چلا نہیں جاتا! اس کا پھر بلائیں وہ تب انکار نہیں کرتا۔اس کو پھر دفع جانے کے لئے کہیں تب ہماری یہ خواہش پوری ہونے کا کوئی نہ انتظام ہو جاتا ہے.... یہاں کس چیز میں ہماری نہیں چلتی غریب ہیں روکھی سوکھی کھاتے ہیں مگر آزاد تو ہیں!

حتیٰ کہ اسلام کی بھی ہم نے جتنی بار فرمائش کی سو فیصد کبھی خالی نہ گئی۔ ہر بار ضرور اس پر کچھ پیشرفت ہوئی۔کبھی انکار تو نہیں ہوا! کفر تو انکار کرنے سے لازم آتا ہے مگر یہاں تو دستور تک تبدیل کر دیئے گئے۔صاف لکھا ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف قانون پاس کرنے کی کسی میں مجال نہیں! نظریاتی کونسل نے اسلام کے لئے سفارشات مرتب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔شرعی عدالت نے اسلام کے حق میں اتنے فیصلے دیئے کہ یہاں بچہ بچہ اب اس سے واقف ہے۔ بلکہ تو عام عدالتیں بھی اس باب میں اب کسی سے پیچھے نہیں رہیں۔آئے روز کسی نہ کسی عدالت میں اسلام کے حق میں فیصلہ ہو رہا ہوتا ہے۔ایک سود کا طعنہ تھا وہ بھی ہماری عدالتوں نے ختم کر دیا۔سپریم کورٹ نے زیریں عدالتوں کا فیصلہ اصولاً صادر کر دیا ہے۔حکومت نے اس فیصلے کے احترام کرنے کی صاف صاف حامی بھری ہے۔متعلقہ محکموں کو 'مناسب وقت' میں اس پر عملدرآمد یقینی بنانے کے احکامات جاری کر دیئے گئے ہیں۔کبھی کبھی اس پر اگر اپنی مجبوریاں بھی ظاہر کی ہیں تو متعدد بار اس فیصلے کا پابند رہنے کا عزم بھی ظاہر کیا ہے، باقی انسان ہیں کمیاں کوتاہیاں کس میں نہیں ہوتیں۔ ہر عیب سے پاک اللہ کی ذات ہے۔اسلام پر ہمارا مکمل یقین ہے اور قوم کی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل پر ہمارا مکمل ایمان ہے ۔ہم سے جو ہوسکا اس میں کوئی کمی نہ ہونے دیں گے!

آپ اسے سچ مان لیں تو بحث ختم۔لیکن اگر آپ کو یہ جھوٹ بھی لگے تو زیادہ سے زیادہ اسے آپ کسی حکمران کی منافقت یا زبانی جمع خرچ کہہ سکتے ہیں۔یہ اس کا انفرادی عمل ہوا،جس کا وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہے اس سے سسٹم تو غلط ثابت نہیں ہوتا! آئین تو کتاب وسنت کا لفظ بول کر ادائے فرض کی تکمیل کر چکا!اب اگر کوئی بدنیت ہے تو اسے اللہ پوچھے آپ بھی اگر اس سے مطمئن نہیں تو یہ کوئی بادشاہت تھوڑی ہے جو ایک بار کوئی کرسی پر بیٹھا تو وہ زندگی بھر اٹھایا ہی نہ جاسکے۔آپ اسے 'تبدیل' کر دیجئے جمہوری عمل کی یہی خوبی ہے۔اس میں ناامیدی کی گنجائش کہاں اب اگلے الیکشن ہوں تو آپ اس کے بجائے کسی اور کو ووٹ دیجئے۔دوسرے نمائندوں کو آگے لایئے۔نیا پارلیمانی بلاک ترتیب دیجئے'پریشر گروپ' کی ٹیکنک آزمایئے۔اگلی بار کے الیکشن میں کسی اور پارٹی سے انتخابی اتحاد کیجئے وہ بدبخت بھی اپنے وعدے سے پھر جائے تو پارٹیوں کی کیا کمی ہے۔جمہوریت تعدد احزاب پر یقین رکھتی ہے۔ہر نیا الیکشن یہاں نئے امکانات لے کر آتا ہے۔ہر نئے دن کے سورج میں کوئی نیا پیغام ہوسکتا ہے۔آپ دن گنتے جایئے مگر زندگی اسی جمہوریت کے آسمان تلے گزاریئے یہی دنیا ہے۔اس سے باہر آپ کہاں جائیں گے۔اور اس کا متبادل آپ کے پاس ہے ہی کیا!

یعنی ہمیں انہی شرطوں پر اسی نظام کی نوکری کرنی ہوگی!!!

یہ ضرور ہے کہ یہ اپنے انداز کی ایک منفرد نوکری ہے۔ایک دائرے کے اندر اندر آپ کو واقعی اس میں پوری آزادی ہے حاصل ہے۔آپ اپنے آپ حکمران ہیں۔چناؤ کے سبھی راستے (Choices & Options) آپ کے سامنے کھلے ہوتے ہیں جن کے رد یا اختیار کرنے کا آپ کو پورا پورا اختیار ہوتا ہے اور تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ اس میں اس قدر تنوع ہوتا ہے کہ واقعتاً آپ کو یہ ایک پوری دنیا لگتی ہے۔اس دائرے پر دنیا آپ کو ختم ہوتی ہوئی لگتی ہے جدید تحقیق یہ ہے کہ دنیا میں ایک طرف کو چلتے جائیں واپس وہیں آ پہنچیں گے۔یہاں بھی یہی ہوتا ہے۔پھر آہستہ آہستہ ایک غیر محسوس انداز میں یہ 'دائرہ' نظر سے اوجھل کر دیا جاتا ہے۔کوئی آپ کو پکڑ کر نہیں رکھتا البتہ اس کے باہر آپ کی نظر خود ہی نہیں جاتی۔حتی کہ تخیل کی سرحد یہی ہوجاتی ہے۔اکا دکا کسی شخص کی نظر اس سے باہر چلی بھی جائے تو اس سے کیا فرق پڑے گا خود ہی لوگ اس کو 'جنونی' اور 'انتہا پسند' کہہ کر بٹھا دیں گے۔بطور قوم آپ اس دائرے کے اندر حیران کن تیزی اور سرگرمی سے عمل کرتے ہیں مگر دائرے سے کبھی نکلتے نہیں۔اس میں اضافی طور پر آپ کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ یہ دنیا آپ نے بڑی محنت اور جان جوکھوں سے اپنے لئے خود بنائی ہے۔یہ اپنے زور بازو سے آپ حاصل کر سکتے ہیں۔تب فطری طور پر آپ اس سے بھی اور مانوس ہوتے ہیں۔اب 'مواقع' وہی جو اس میں پائے جاتے ہیں۔'مجبوریاں' وہی جو یہاں سمجھی جائیں۔چناؤ کی صرف انہی امکانات سے آپ واقف ہوتے ہیں جو یہاں دستیاب ہوں۔'گنجائش' اور چارہ جوئی کے سب مفہومات آپ کی نظر میں یہیں سے شروع ہو کر یہیں ختم ہوجاتے ہیں۔اس سے باہر اگر کسی چیز کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے تو وہ خلا ہے!

غرض یہ ایک ذہنی اور نفسیاتی حصار ہے۔اس کو آزادی کی نیلم پری میں تبدیل کر دینے کیلئے کچھ کرشمات چاہئیں۔ان میں

سرفہرست یہاں کی 'جمہوریت' ہے۔یہ نہ ہوتو ہمیں یہ یقین ہی نہ آئے کہ ہم ایک 'آزادقوم' ہیں۔بار بار ووٹ دے کرہمیں اس بات کا کہیں زیادہ یقین آئے گا۔اپنی 'قسمت' کی پرچی پرخودمہرلگائیں۔تو قسمت پھوٹنے پرافسوس تو نہ ہوگا!اپنی مرضی سے آزادانہ اپنے نمائندے منتخب کریں،جس کو چاہیں مینڈیٹ دیں۔جس کا چاہیں مینڈیٹ ضبط کرلیں.....آخر یہ اسی بات کی تو دلیل ہے کہ ہم اپنے فیصلے آپ کرتے ہیں!ہم نے اس بات کی نشانی طلب کی تھی جس سے ہمیں پتہ چل سکے کہ آزادی کے حصول کا واقعہ رونما ہو چکا ہے ۔ہماری یہ جمہوریت ہمارے اسی سوال کا جواب ہے!

☆☆☆☆☆

لفظی مشابہت کا جوخمیازہ تھا!

ہمارے بعض راہنما ہمیں یہ بتاتے رہے کہ مغربی جمہوریت اور ہماری اسلامی جمہوریت میں دراصل زمین آسمان کا فرق ہے ان میں اگر ہوئی مشابہت ہے تو محض لفظی قسم کی ہے۔ہمیں بھی ان سے اسی حد تک اتفاق ہے کہ 'مغربی جمہوریت' اور 'ہماری جمہوریت' میں واقعی زمین آسمان کا فرق ہے۔مگر کفار سے اس 'بس ذرا سی لفظی مشابہت' کے شبہے میں آ کر ہی مار کھائی اور بہت بری مار کھائی۔لوگوں نے ہمیں نالائق سمجھا کہ مغرب جس نظام سے یہ خوبصورت ثمرات حاصل کرتا ہے ہم اس بنے بنائے نظام سے وہ بھی لینے کے قابل نہیں۔یعنی مغرب کی نقل تک نہیں کر سکتے۔مگر دراصل معاملہ کیا تھا۔ہمیں جو جمہوریت ملی وہ مغرب میں ہوتی تو وہاں بھی شاید یہی گل کھلاتی جو ہم یہاں چن رہے ہیں۔مغرب نے ہمیں وہ جمہوریت دی ہی کب ہے جو اس کے اپنے ہاں رائج ہے؟اس کی تو آج تک کبھی اس نے ہمیں ہوا تک نہیں لگنے دی۔اس اصل واردات سے تو ظاہر ہے کم ہی لوگ واقف تھے کہ ہمیں دکھایا کچھ گیا اور دیا گیا بالکل کچھ اور۔دوسری غلطی کی کہ وہ لیا حالانکہ ہمارے دین نے ہمیں سختی سے روکا تھا کہ کفار سے کچھ نہیں لینا۔دوسری غلطی کی کہ بغیر یہ دیکھے کہ ہمیں یہ ملا کیا اس سلطانی جمہور پر ریجھ گئے اور اپنے سب نقش کہن مٹانے پر آپ ہی تیار ہو گئے پھر تیسری غلطی یہ کی کہ اپنی سب فصل خود اپنے ہاتھوں تلف کر لینے کے بعد ادھار کے اس بیج کی کاشت سے اپنے ہاں بھی اس خوشحالی کا دور دورہ ہو جانے کی آس لگا بیٹھے جس کی لہلہاہٹ یورپ کی سرزمین میں ہمیں آج بھی لبھاتی رہتی تھی۔پھر جب نتیجہ اس سے معکوس نکلا تو بھی ہماری نظر اس واردات کے اصل سبب پر نہیں گئی کہ ہمارے ساتھ جو ہاتھ ہوا وہ ہمارے اپنے ہی دین کو فراموش کر بیٹھنے سے ہوا ہے۔تب بھی ہمیں اس بدیشی بیج کی صلاحیت پر تو کوئی شبہہ نہ ہوا۔البتہ اپنی ہی اہلیت ہماری نظروں میں مشکوک ٹھہری اور ہم نے سمجھا کہ ہمیں ہی فصل کاشت کرنا نہیں آئی آخر مغرب جو کاشت کرتا ہے اس بیج کا بھی تو یہی نام ہے۔

ہمیں مغرب سے اس کا ایک نمبر مال بھی نہیں لینا تھا مگر ہمیں دو نمبر مال ملا اور ہم نے خوشی سے لیا۔اس سامنے کی چیز پر تو ہماری نظر نہ جا سکی۔ہم نے سبب تلاش کیا بھی تو یہ مغرب کی تو گرد خاک کو پہنچنا بھی ہماری قوم کے بس میں نہیں ہم کہاں اور مغرب

کہاں۔ بھائی مغرب کے مقابلے کا خیال چھوڑ دو ہم تو ان کی نقل تک نہیں کر سکتے۔ مغرب کی بہترین اور شرطیہ مصنوعات کے استعمال کا بھی ہمیں سلیقہ نہیں ورنہ ایک جمہوریت سے یورپ نے یہ ترقی کی اور ہم نے یہ تنزلی!

'ایک ہی جمہوریت' تھی کب!؟ محض یہ تو کفار سے لفظی مشابہت قبول کر لینے کا خمیازہ تھا جو ہمیں بطور قوم بھگتنا پڑا ورنہ اس آفت کا نام ہم آفت ہی رہنے دیتے اور قوم کا بچہ بچہ اسے اسی نام سے جانتا پہچانتا تو کم از کم اتنی بڑی سزا تو ہم نے جھیلتے!

اب بھی کچھ اور ممکن نہیں تو یہ نام کی درستی تو کی جا سکتی ہے۔ کیا بعید کہ اصل کام کی بازیافت کا عمل بھی اسی کے ساتھ شروع ہو جائے!

الفاظ کے درست استعمال پر اسلام بلا وجہ اتنا زور نہیں دیتا۔ درستی الفاظ کو درستی اعمال اور اعمال کی نتیجہ خیزی کے ساتھ دیکھئے قرآن کس طرح جوڑتا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیما . (الاحزاب: ۷۰–۷۱)

''اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور بالکل سیدھی اور درست بات کیا کرو اس سے اللہ تمہارے اعمال درست کر دیگا اور تمہاری کمیوں اور قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ جو شخص یوں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی''۔

☆☆☆☆☆

اسلام کو 'دفعات' ہی کافی ہیں!!!

ان اسلامی دفعات کی آئینی تاثیر (Constitutional Effect) اور قانونی اہمیت کیا ہے اور کیا نہیں، ان لاحاصل بحثوں کے دوران اکثر جو چیز ہم نظر انداز کر بیٹھتے رہے وہ یہ تھی کہ اس نظام کی آخر کون سی بات اور خصوصاً الفاظ اور تعبیرات کی حد تک اس کی کون سی چیز اتنی سنجیدگی سے لینے کے قابل ہے کہ آدمی اسے سچ مچ درست مان لے۔ اس نظام کو معاشرے کے اچھے اور برے سبھی طبقوں کو ساتھ لے کر چلنے کی ضرورت تھی۔ ہر طبقے کے لئے ہی اس آئین میں کچھ نہ کچھ ہونا چاہئے تا کہ ہر طبقہ اپنے اپنے انداز سے آئین کی تشریح کرے اور اس ہاتھی کا وصف بیان کرنے میں ہر طبقہ ایڑی چوٹی کا زور لگائے۔ اس آئین سے تو ہر کسی کو ہی اپنے مطلب کی شق ملنی چاہیے جسے وہ لے کر قوم کو دکھائے کہ قصور نظام کا نہیں بس یہ وزیروں مشیروں کی نااہلی یا بدنیتی ہے جس کا علاج اتنا مشکل نہیں۔ چنانچہ ہم ایک اسلام پسندوں ہی کی بات نہیں لادین بھی تو اسی آئین کی حکمرانی چاہتے ہیں! یہاں مقبول عام مطالبہ یہی تو رہا ہے کہ آئین کو اس کی اصل روح کے ساتھ نافذ کر دیا جائے! مگر یہ 'روح' ایک غیر مرئی چیز ہے جو نظر آئے بھی ہر کسی کو دوسرے سے

مختلف نظر آتی ہے۔آئین کی اس 'روح' پر بھلا کب اتفاق ہوگا؟ اس کی یہی تو خوبی ہے کہ ہر آدمی اسے جیسا دیکھنا چاہے یہ اسے ویسا نظر آتا ہے۔ایسی کرامات رکھنے کے بعد پھر یہ کسے برا لگے گا۔ہوگا وہی جو کرنے والے کریں گے مگر جو کچھ بھی ہو جائے آئین اور نظام سے بدظنی کا خیال کسی کے بھی دل میں نہ آئے گا! اسلام پسند کیا جمہوریت پسند، لبرل کیا غیر لبرل ہر کوئی آئین کے صحیح 'نفاذ' کا مطالبہ ضرور کرے گا! حتیٰ کہ جن دنوں سوشلزم کے نعرے لگتے رہے اپنے اپنے انداز سے آئین کی تفسیر اس وقت بھی ہر فریق کیا کرتا تھا۔بھانت بھانت کی ان بولیوں میں فیصلہ کون کرے گا؟ بعض چیزوں کا فیصلہ نہ ہونا بھی ضروری ہوتا ہے!

چنانچہ آئین میں پایا جانے والا یہ معنی خیز 'ابہام' ہر طبقے کو اس شجر سے پیوستہ رکھنے کے لئے بے انتہا کارآمد ثابت ہوا۔اس آئین میں اب سب کچھ پایا جاتا ہے۔اس میں کچھ اور داخل کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے یہ بتایئے کس طبقے کے لئے اس میں کیا ہے جو نہیں ہے!

چنانچہ ہم سے جو ایک بڑی بھول ہوئی وہ یہ کہ اس نظام کو اور اس کی اسلامی یا غیر اسلامی دفعات کو خوامخواہ سنجیدہ لے بیٹھے۔یہ تو ایک چکر میں گھومنا تھا، اس بس یہی بات سنجیدہ تھی باقی اس کے الفاظ اور تعبیرات پر جانا تو ایک خواہ مخواہ کی اضافی مشقت تھی۔کسی ترمیم کے حق میں بولنا اور کسی بل کے خلاف، یہ ایک فضول کاروائی تھی۔ہمارے اس وقت کا بہت اچھا مصرف کچھ اور ہوسکتا تھا 'اسرائیلیات' کی طرح ان چیزوں کو جھٹلائیں نہیں تو ان پر جھٹ سے یقین بھی نہ کرلیں۔

ان دفعات سے ہونا بھی کیا تھا۔ایک تو اس وجہ سے کہ 'نظام' ایک کل کا نام ہوا کرتا ہے۔اس کا ایک اپنا پس منظر ہوتا ہے۔اس کل کے اجزاء کی ایک خاص ترکیب ہوا کرتی ہے۔اس کے بیچ میں چند دفعات یا شقیں ڈالنے اور نکالنے سے کوئی فرق پڑ سکتا ہے تو یہی کہ پہلے اگر اس میں کوئی الجھن اور پیچیدگی نہیں تھی تو اب ضرور واقع ہو جائے اور اگر پہلے سے تھی تو اب کچھ اور بڑھ جائے۔کفر بھی ہو تو وہ واضح اور ایچ پیچ کے بغیر اچھا رہتا ہے۔البتہ اگر اسلام ہی کے گرد الجھنوں اور پیچیدگیوں کا جال بن دیا جائے تو یہ تو اس سے بھی آشوب ناک صورت ہوگی۔چنانچہ اس نظام میں اسلامی دفعات یا ترمیمات کے معاملے میں گرمجوشی دکھانے کی ہمیں سرے سے ضرورت نہ تھی۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ نظام خود کسی سنجیدہ مقصد کو پورا کرنے کیلئے نہیں بنایا گیا جیسا کہ پیچھے ہم وضاحت کر آئے ہیں۔دراصل یہ نظام کیا تھا، ہمیں مسلسل ایک حالت اضطراب میں مبتلا اور مغرب کا دست نگر رکھنے کا ایک بے رحم انتظام تھا۔بنیادی طور پر تیسری دنیا سے یہ مسلسل مشقت کروانے اور پانی بھروانے کا ایک سلسلہ چلایا گیا تھا۔کاش کہ اسلام کو اس سے کوئی نسبت ہونے سے معاف ہی رکھا جاتا۔اسلام کو اس 'قدر افزائی' کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔غرض یہ جمہوریت کی بھی کوئی معقول شکل نہ تھی ۔ایک لباس جو ایک غلام قوم کے لئے سیا گیا اور غلامی کی یادگار کے طور پر مرحمت فرمایا گیا۔اس پر ہمیں اپنے دین کے بیج یا پیوند لگانے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ہماری اس نادانستہ کوشش سے کوئی فرق پڑتا تو یہی کہ غلاموں کی ایک وردی اسلام کی خلعت فاخرہ جان لی جاتی۔اس

میں اسلام کا بالکل کوئی حوالہ نہ ہوتا تو کیا اچھا نہ ہوتا! ہونا تو پھر بھی یہی تھا۔

بنیادی طور پر یہ ایک استحصالی نظام تھا۔ اس میں ہر چیز کا استحصال ہونا تھا۔ ہمارا تو سو سال سے ہو رہا تھا اب اسلام کا بھی ہمارے ساتھ ہونے لگا۔ سادگی میں آ کر اس کی اسلامی دفعات کی سب سے زیادہ تشہیر بھی ہم نے ہی کی۔ بھائیوں ہم ان دفعات کو لے کر کہاں کہاں نہیں پھرے؟ کہاں کہاں ان کے حوالے نہیں دیئے؟ اب یہ کوئی ہماری بات تھوڑی ہی تھی جو کہیں سنی ہی نہیں گئی یہ دستور کے حوالے تھے آئین کی دفعات تھیں۔ ہم ان دفعات کے نمبر بتا سکتے تھے صفحات کی نشان دہی کر سکتے تھے۔ ہم ان کو لے کر عدالتوں میں پھرے۔ اسمبلیوں میں گئے۔ ایوانوں سے کہا ظالموں یہ کوئی صرف قرآن کی آیات تھوڑی ہیں تمہارے دستور کی دفعات ہیں اب تو سنو۔ آئین کی شقیں ہیں ان کا تو احترام کرو۔ کس نے ہماری سنی؟ ہاتھ کیا آیا؟ ہم بھی خراب ہوئے ہمارا دین بھی۔

چنانچہ اس نظام کے بارے میں مناسب ترین رویہ یہی ہوتا کہ اس کے ساتھ کچھ ایسا سنجیدہ نہ ہوا جائے نہ اس سے اسلام کی کوئی امید رکھی جائے اور نہ اس کے الفاظ اور عبارتوں پر اتنی جان کھپائی جائے۔ نہ ہی ہمیں اس نظام کے خلاف نعرے لگانے کی ضرورت تھی۔ بس معاشرے میں اسلام کی اصل بنیاد اٹھانے کے سلسلے میں اپنے کام سے کام رکھا جاتا۔ ہوسکتا تھا تب اب تک ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہوتے۔

اب ایک ایسے نظام سے آپ کیا توقع رکھ سکتے ہیں جس کی بنیاد ہی بددیانتی، دوزخی، استحصال اور افراتفری پر رکھی گئی ہو!؟

جذبات نہیں علم کی ضرورت ہے:

مغرب کو مفت میں کوئی سواری ہاتھ آئی ہے تو اس کے لیے اس میں برا کیا ہے۔ اپنے لئے خواہ اس نے کتنے ہی جدید ذرائع نقل وحمل ایجاد کر لئے ہیں مگر انسان پر سواری کا اپنا ایک نشہ ہے۔ اس نشے کا اب وہ بہت دیر سے رسیاہ ہو چکا ہے۔ اس نشے کا عادی بنیادی طور پر اسے ہم نے ہی کیا ہے۔ اس کی عادتیں خراب کرنے میں سب سے زیادہ دخل ہمارے ہی رویے کو رہا ہے۔ اس کا یہ نشہ ہرن کرنے کے لیے بھی ہمیں ہی تکلیف کرنی پڑے گی۔

ہمارے کچھ مخلص لوگ اس مقصد کیلئے صرف بندوق تجویز کرتے ہیں اور سید احمد بریلوی کے دور سے لے کر اب تک وہ کچھ نہ کچھ اس کا تجربہ کرتے بھی آئے ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں بندوق سے زیاہ جان ہمارے عقیدہ میں ہے بشرطیکہ کچھ وقت لگا کر ہم قومی اور معاشرتی سطح پر اس توانائی کی افزودگی (Enrichment of the Energy) کا اپنے دور کے شایان شان کوئی منصوبہ تشکیل دے لیں اور اسے تکمیل کے مرحلہ تک پہنچانے کے لئے پوری دلجمعی سے اس پر کام کرنے پر اتفاق کر لیں۔ خصوصا جب مغرب اپنا کلی انحصار بندوق پر نہیں کرتا بلکہ عقل کے استعمال پر اصل انحصار کرتا ہے اور ہمیں اس دام میں لانے کے لئے آج تک اس نے فکر ونظر کے جال ہی سب سے زیادہ استعمال کئے ہیں....اور ہم اب جانتے ہیں کہ ہماری قوم نے سب سے زیادہ مار اس کی بندوق

سے نہیں بلکہ اسکی عقل اور اسکے افکار ونظریات سے کھائی ہے ....اور قومی سطح پر ہماری اپنی دینی و دنیاوی پسماندگی ہی ہمیشہ ہمیں اس کیلئے لقمہ تر بنا کر پیش کرتی رہی ہے.... تو پھر اس کا دماغ صرف بندوق سے درست کرنا کہاں تک حقیقت پسندانہ طریق کار ہو سکتا ہے ؟ پھر جبکہ مغرب کی اس چودھراہٹ کا اصل راز اگر اس کی عقلی و فکری برتری ہے تو ہمارے پاس تو قرآن ہے جو فکر و نظر کے ہر جادو کا توڑ ہے۔ جو روح کی غذا بھی ہے اور ذہن کی بھی ہمیں بجا طور پر عقلی ،فکری ،نظریاتی اور تہذیبی برتری دلا دینے کا ضامن ہے۔ تاریخ کے اس منفرد ترین معرکے میں ہمارا اصل ہتھیار قرآن ہے۔ جب بھی دے گا بس یہی ہتھیار فائدہ دے گا۔

بندوق کی اپنی جگہ ضرورت اور افادیت سے ہمیں انکار نہیں۔ سب سے پہلے ہمارا قرآن ہی اس سے غافل نہیں۔ اس کی اپنی اہمیت بجا مگر ہمارے جس ہتھیار سے مغرب کی جان جاتی ہے وہ بہرحال ہماری بندوق نہیں وہ قرآنی بنیاد پر ہماری قوم کی فکری اور عملی تربیت ہے کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ہماری قوم میں ایٹم ایسی حقیر چیز سے توانائی کشید کرنے پر تو وسیع اتفاق پایا گیا۔ پوری قوم یک آواز ہو کر اس کا مطالبہ کرتی رہی اور ایٹمی توانائی کے اس منصوبے پر عرصہ دراز تک انتہائی خاموشی اور صبر کے ساتھ کام ہوتا رہا مگر قرآن سے توانائی لینے پر اس قوم میں کوئی وسیع اتفاق نہ ہو پایا نہ ہی حتی کہ قوم کو توانائی کے اس سر چشمے کی پوری طرح نشان دہی کر کے دی گئی۔ ہم نے کتنا ظلم کیا کہ قرآن کو ایٹم جتنی توانائی کا بھی مصدر نہ سمجھا۔ قومی سطح پر نہ اس توانائی کی افزودگی کے کسی بڑے اور طویل المیعاد منصوبے کی ضرورت جانی گئی اور نہ کسی ایسے منصوبے کی کامیابی کو قوم کی عزت و آبرو کا سوال بنایا گیا۔

ہم اپنی قوم کو فکر و نظر اور ترقی میں بلندی کے جس درجے پر پہنچانے کیلئے ہلکان ہو رہے ہیں قرآن اس کا اس سے آگے لے جا سکتا ہے۔ قرآن کے سوا اب ہمارے پاس کوئی حل نہیں اور اللہ کے سوا بھائیو! اب ہمارا کوئی پشتبان نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ سب سے بہتر راستہ ہے **خیر الهدی هدی محمد** ﷺ.

مغرب بہرحال ڈرتا ہے تو اس دن سے جب ان ملکوں میں بسنے والی قومیں مغرب کا سب کچھ مغرب کو واپس کرنے پر ضد کرنے لگیں۔ جس دن مغرب کو یہاں سے یہ پیغام ملا کہ اس کی تہذیب، اس کے فکر، اسکے نظریے اور فلسفے، اس کے قانون اور نظام تعلیم اور اس کے کسی فیشن کیلئے یہاں کوئی مارکیٹ نہیں۔ اس اصل مال کی یہاں کسی کو طلب ہے اور نہ اس کے دو نمبر مال کی یہاں کوئی کھپت۔ اس کے نظریہ و تہذیب اور اس کے قانون کی یہ سب کتابیں پوری قوم کے بچے اب نہیں پڑھیں گے۔ اس کا یہ نظام یہاں کسی کو قبول ہے نہ اس نظام کے کار پرداز اور نہ اس کے فاضل پرزہ جات۔ یہ سب کچھ چاہے تو مغرب اٹھا لے جائے ہمارے ہاں کباڑ میں بھی کوئی اس کا خریدار نہیں اور ہمارے عجائب خانوں میں اپنے تاریک دور کی یہ یادگاریں رکھنے کی بہت کم جگہ ہے۔

یقین کیجئے آپ اپنی قوم کو یا اپنی قوم کے ایک موثر طبقے کو کسی طرح اس بات پر تیار کر لیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ ایک طویل دعوتی اور تربیتی عمل ہی کے نتیجے میں ممکن ہے تو یہ دن مغرب کی ہم پر برتری کا آخری دن ہو گا۔ غلامی کے طوق اور سلاسل سمجھئے اسی دن جا کر ٹوٹیں گے۔ ہمارا یہ فیصلہ یقین کیجئے ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے ان ملکوں میں ہمیں اپنا ہی انتظار ہے

۔یہاں عالمی منظرنامے پر اب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہونا۔

☆☆☆☆☆

اس نظام کا شرعی حکم:

اب جو بحث ہونے جارہی نہ تو وہ اس نظام کی تفصیلات پر ہے نہ یہ کہ اسے کون چلاتا ہے یا یہ کیسے چلتا ہے۔نہ اس کے نام ہمارے زیر بحث آئیں گے نہ اصطلاحات، نہ اس کی تعبیرات اور نہ اس کی دفعات۔اب ہم صرف یہ دیکھیں گے کہ یہ نظام جو بھی ہے اور جیسا بھی ہے اور جس حالت میں بھی ہے، اسلام کا حکم اس بارے میں کیا ہے؟

اب سوال صرف ایک ہے:اس ملک میں حکم کس کا چلتا ہے؟اس نظام میں کس کی بات حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے؟ کون ہے جس کے فیصلے کے بعد کسی اور کے فیصلے کی گنجائش باقی نہ رہے؟ یہاں کون ہے جس کی منشا قطعی قانون کا درجہ رکھتی ہے اور اس کی کہی ہوئی بات کو قانون کا درجہ پانے کے لئے کسی اور کی منظوری کا محتاج نہیں جانا جاتا؟ جس کے فیصلے کے آگے کسی کو چوں وچرا کرنے کی اجازت نہیں؟ یہ مرتبہ اور مقام اس نظام میں اللہ کو حاصل ہے یا اوروں کو؟ یہ سب اختیار اگر اس مالک یکتا کو حاصل نہیں تو پھر اس کے خدائی اختیار کتنی مخلوقات میں اور کس کس طرح تقسیم ہوتے ہیں، کہاں کہاں کس کے پاس کوئی خدائی اختیار ہے اور کہاں کہاں وہ بے بس ہے؟ان میں سے کوئی سوال بھی اہم نہیں۔

اب جب یہ معلوم ہے کہ اس نظام میں حرف آخر اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ نہیں تو پھر وہ جو کوئی بھی مخلوق یا مخلوقات ہیں ’غیر اللہ‘ کہلائیں گی۔یہاں اب یہ سوال بھی نہیں کہ اللہ کے لئے یہاں ’حاکم اعلیٰ‘ کا لفظ بولا جاتا ہے یا اس کے ننانوے ناموں میں سے کس کس نام کا ورد کیا جاتا ہے؟ سوال بہت واضح اور مختصر ہے’یہاں اللہ کی چلتی ہے یا کسی اور کی؟‘

مسند احمد اور ترمذی میں روایت ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے جو پہلے عیسائی تھے، بوقت قبول اسلام اس امر کا انکار کیا(اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله) کہ ’’انہوں نے احبار اور رہبان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا تھا‘‘ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ جواب دیا تھا۔

بلى إنهم حرموا عليهم الحلال وأحلوا لهم الحرام فاتبعوهم فذلك عبادتهم إياهم ۔

’’کیوں نہیں!وہ ان پر حلال کو حرام کرتے اور حرام کو حلال کرتے تو وہ تسلیم کر لیتے تھے۔یہ ان کی عبادت ہی تو ہے‘‘۔(تفسیر ابن کثیر)

سو قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہی ہے کہ کسی کا قانون تسلیم کرنا دراصل اس کی عبادت ہے اگرچہ اس کام کو عبادت اور بندگی کا نام بھی نہ دیا جائے‘ چاہے یہ کام کرنے والوں کو معلوم تک نہ ہو کہ بندگی اور عبادت یہی ہے۔جیسا کہ عدی بن حاتم

کو معلوم نہ تھا۔ قرآن کی رو سے یہ بھی ضروری نہیں کہ کوئی انسان خدا کہلا کر ہی خدائی کے مرتبے کا فائز ہوتا ہو جیسا کہ احبار و رہبان خدا نہ کہلاتے تھے مگر قرآن نے ان کو اربابا من دون اللہ کہا ہے۔ چنانچہ ہر وہ انسان جو انسانوں کے لئے قانون صادر کرنے کا حق رکھتا ہو وہ اللہ کا شریک ہے۔ زمین کے جھوٹے خداؤں میں اس باقاعدہ شمار ہوگا اگر چہ اس کا لقب فرعون نہ ہو اور اگر چہ وہ عوام کا نمائندہ یا عوام کا خدمت گار کہلاتا ہو۔

یہ عبادت اور الوہیت کے مفہوم درست نہ ہوئے بتوں کو پوجے جانے کے لئے صرف شکلیں بدلنی ہونگی۔ دین کا مطلب واضح نہ ہوا تو گمراہیوں اور ضلالتوں کو صرف چولے تبدیل کرنا پڑیں گے۔

یہ ہے اس نظام کی حقیقت۔ اب رہ جاتا ہے یہ سوال کہ اس نظام کے اندر جانا خصوصاً اچھی نیت لے کر جانا کیسا ہے؟ تو ہماری شریعت کے اصول ہی نہیں تجربات بھی ثابت کرتے ہیں کہ جو اس نظام کے اندر جاتا ہے وہ اس نظام کا حصہ بنتا ہے۔ یہ نظام ایسا عجیب اور توسیع پسند ہے کہ اپوزیشن کو بھی اپنا باقاعدہ حصہ تصور کرتا ہے۔ کیا آپ نے کوئی ایسا نظام دیکھا ہے جو اپنے اندر اپوزیشن کے وجود کو بھی اپنی صحت کیلئے ضروری خیال کرتا ہو!؟ اس کی قوت ہاضمہ سے خبردار رہنا بہت ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆

انتخابی سیاست میں شرکت کیا مصلحت کا تقاضا ہے؟

ظاہر ہے شریعت میں مصلحت کہا ہی اسی چیز کو جائے گا جس کا باطل ہونا شریعت کی نصوص یا اصول سے ثابت نہ ہو۔ البتہ جب کسی چیز کا باطل ہونا کسی شرعی نص یا شرعی اصول سے ثابت ہوگیا تو اب اس ہر چیز کو اس کی حرمت کے باوجود اختیار کرنا اردو استعمال کے لحاظ سے 'مصلحت' ہو تو ہو شرعاً 'مصلحت' نہ ہوگا۔ بلکہ شرعی اور فقہی زبان میں اس کا کوئی نام ہے تو وہ ہے مفسدت یا پھر مصلحت ملغاۃ (وہ مصلحت جسے شریعت نظر انداز کرنے کا حکم دیتی ہے)۔

اب پارلیمان میں شرکت کی بابت شرعی اصول کیا کہتے ہیں؟ جیت اور ہار کا یہ اصول تسلیم کرنا کہ اکثریت جس پارٹی کے منشور کی تائید کردے اسے حکمرانی کا حق ہوگا؟ شریعت کی کسی نص کو قانون کا درجہ پانے کے لئے اکثریت کی موافقت مشروط ماننا، قانون سازی کا حق انسانوں کے لئے تسلیم کرنا، بہت سے پارلیمانی تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے لادینوں سے قربت بڑھانا اور بسا اوقات پارلیمانی اتحادوں میں لادینوں کو آگے کرنا..... بلکہ وزارت عظمیٰ اور صدارت تک پر فائز کردینا کیا شرعی اصولوں کی روشنی میں یہ سب کچھ باطل نہیں؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب ایک نظام باطل ہے تو اس میں شرکت کیا اس نظام کو تسلیم کرنے کا بجائے خود اظہار نہیں؟ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اگر بعض یہودیوں اور کافر قبائل کو ساتھ ملایا بھی تو خود تو ان کے ساتھ نہیں ملے! کسی کو اپنے نظام میں شامل کیا تو خود تو کسی اور کے نظام میں شامل نہ ہوئے، نہ آپ ﷺ کبھی کسی باطل نظام کا حصہ بنے۔

باطل نظام کی سب جزئیات باطل نہیں

انتخابات میں شرکت کرنے والے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ نظام باطل تسلیم مگر کیا ایک باطل نظام کی سب جزئیات بھی باطل ہوا کرتی ہیں؟ اس نظام کی جو جزئیات باطل نہیں اور ہمارے دین سے ان کی اجازت ملتی ہے آخر ان کو اسلام اور مسلمانوں کے فائدے کیلئے اختیار کر لینے میں کیا حرج ہے؟

یہ قابل احترام حضرات اس کی یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے طائف سے واپسی کے وقت مطعم بن عدی سے پناہ لی تھی۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ پناہ لینا اور پناہ دینا (جوار) عرب کیا ایک دستور تھا اور اس میں کافر سے ایک طرح کی قربت کا تاثر بھی ملتا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عرب کے اس دستور سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے فائدہ لیا۔

بعض قابل قدر حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ چلئے اس سے پارلیمنٹ اسلام کی دعوت پہنچانے اور شریعت کی بات سامنے لانے کے لئے جانا تو ثابت ہوگیا!؟ سو عرض یہ ہے کہ پارلیمنٹ اگر محض کسی بلڈنگ کا نام ہے تب تو اس کے اندر بیٹھے کسی چوکیدار یا اندر بیٹھے کسی اسپیکر یا چیئر مین سے اجازت لے کر کچھ دیر کے لئے اندر چلے جانا اور ان کو اللہ کا پیغام پہنچا آنا کچھ مضائقہ کی بات نہیں۔لیکن اگر پارلیمنٹ کسی بلڈنگ کا نام نہیں بلکہ یہ ایک نظام ہے، خدائی اختیارات رکھنے والوں انسانوں کا ایک مجموعہ ہے اور پارلیمنٹ میں شرکت کا مطلب انسانوں کے اس مجموعہ میں باقاعدہ طور پر شامل ہونا اور اپنا نام لکھوانا ہے۔ پھر ارکان پارلیمنٹ میں اپنا نام لکھوانے کے لئے آپ کو باقاعدہ انتخابی مہم چلانی ہے، ہر قسم کے شخص کا ووٹ مانگنا ہے، پھر جب آپ کو اکثریت کے ووٹ مل بھی جائیں تب بھی آپ کو پارلیمنٹ میں جا کر ویسے ہی نہیں بیٹھ جانا بلکہ ممبر پارلیمنٹ کا مرتبہ پانے کیلئے پہلے آپ کو اس کے آئین سے وفاداری کا حلف اٹھانا ہے، اس کے سب اصولوں اور ضابطوں کا پیشگی اقرار کرنا ہے۔ ٹی وی اور اخباروں کے ذریعے پوری قوم کو اپنے اس قرار کا گواہ بنانا ہے اور تب کہیں جا کر آپ کو وہاں زبان کھولنے کی اجازت ہوگی.......

ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے یہاں ابن عدی یا ابن الدغنہ کے واقعے سے استدلال کرنے کی کہاں تک گنجائش ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مکہ کے کسی نظام سے وفاداری کا حلف اٹھایا؟ وہاں کے باطل ضابطوں کی اطاعت کا اقرار کیا؟ کسی باطل کا حصہ بنے؟ معاذ اللہ ایسا کچھ بھی کیونکر ہوسکتا تھا!

باطل نظام کی صرف وہ جزئیات لے لینا جو شریعت کے اصولوں سے متصادم نہیں، اس فلسفے کے یہاں اطلاق کی بحث تو تب ہو جب پورے نظام اور آئین سے مکمل وفاداری اور ملک کی قانون کے پاسداری کا باقاعدہ حلف نہ اٹھایا جاتا ہو؟ کیا ہمارے دیندار بھائی پارلیمنٹ میں آدھے دستور کا حلف اٹھاتے ہیں یا پورے کا؟ جب ایسا ہے تو پھر جزئیات کا نکتہ اٹھانا کہاں تک درست ہے؟

چھوٹی برائی

چھوٹی برائی اور بڑی برائی کا یہ موازنہ دلچسپ بھی ہے اور افسوسناک بھی۔ چھوٹی برائی اختیار کرتے ہوئے ہمیں اپنے جن اصولوں کی بھینٹ دینی ہے اور جو کچھ اپنے ہاتھ سے دینا ہے اور پھر دیتے ہی چلے جانا ہے یہ سب کچھ ہاتھ سے جانا یقینی ہے۔ مگر اس کے بدلے میں بڑی برائی سے بچنے کے نام پر ہم جو حاصل کریں اس کا ہاتھ آنے کا نہ کوئی یقین ہے اور نہ کوئی صورت بلکہ اگر حقیقت پسندی سے کچھ بھی کام لیا جائے تو اس کی امید تک نہیں۔ آج پچاس سال بعد بھی نہ اس راہ سے 'اسلامی حکومت' کے قیام کی کوئی امید ہے نہ شریعت کے نفاذ کی کوئی آس رہ گئی ہے۔ بے حیائی، فحاشی اور عریانی میں بھی کچھ کمی آنے کی بجائے روز بروز اضافہ ہی ہوا اور ٹی وی و اخبارات کا چہرہ شرم وحیا سے عاری ہونے میں بھی اور سے اور بدنما ہوا اور معمولی غور وفکر سے بھی یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ چہرہ ابھی آئندہ اور بھی بدنما ہو گا چاہے اسلام پسندوں کو حاصل ہونے والی سیٹیں معمولی سے کئی گنا اور بھی بڑھ جائیں۔

چنانچہ اس راہ میں ہمارے ہاتھ سے جو کچھ جائے گا اس کا جانا قطعی اور یقینی ہے اور یہ سب دیئے بغیر اس کھیل میں شرکت کی اجازت تک نہ ملے گی۔ البتہ یہ سب کچھ دے دلا کر جو ہاتھ آنا ہے اس کا آنا بے یقینی ہے اور نرا وہم!

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تحریکوں کے لیے یہ سودا ہرگز وارے کا نہیں۔

☆☆☆☆☆

انتخابی سیاست اضطرار یا اکرہ؟

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہی چیز واضح ہوتی ہے کہ رخصت کا معاملہ افراد اور خصوصاً ضعیف اور ناتواں افراد سے زیادہ متعلق ہے اور عزیمت کا معاملہ تحریکوں کے مجموعی روش سے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو جان بچانے کے کیلئے مجبوراً کفر کے کچھ الفاظ زبان سے ادا کرنے پڑے انہوں نے انتہائی دکھ اور ناگواری کے ساتھ یہ الفاظ ادا کر دیئے آپ ﷺ نے انہیں اس بات کی رخصت دی۔ مگر کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری تحریک کیلئے بھی مجوعی طور پر یہی کچھ تجویز کیا؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔

اگر ہم اس کو اکراہ (مجبوری) کا نام دیتے ہیں تو اس کی دلیل ظاہر ہے ہمیں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ایسے واقعات سے ہی ملے گی۔ پھر جب ہم اس کو اکراہ قرار دے کر لوگوں کو اس کی دعوت دیتے ہیں تو پھر ہمیں نوجوانوں کو یہ بھی تو بتانا چاہیے کہ رخصت کی راہ اپنا کر عمار بن یاسر کس طرح بلکتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تھے! ہوسکتا ہے ہم عمار بن یاسرؓ ایسی ایمانی حالت میں نہ ہونے کے باعث اس قدر افسوس اور ندامت اپنے اندر نہ پا سکیں اور ظاہر ہے اس میں ہمیں اپنے اوپر اختیار بھی نہیں، مگر افسوس اور دکھ کی وہ کم سے کم حالت خود پر طاری کرنے کی کوشش تو ہم اس وقت کریں جب ہم انتخابی سیاست اور پارلیمانی جمہوریت کے بعض 'ناگوار مراحل طے کر رہے ہوتے ہیں۔ اور چلئے اگر دکھ اور افسوس کی کم ترین حالت بھی نہیں تو اس میدان میں بعض 'کامیابیاں' حاصل

کرتے وقت کم ازکم اس شدید ترین خوشی کے اظہار سے تو اجتناب کریں جو ہم سر عام ظاہر کرتے ہیں!

☆☆☆☆☆

متبادل کی بحث

پھر آخر 'اسلامی حکومت' کیسے قائم ہوگی!؟

بہت سے مسلمانوں میں ایک غلط فہمی بہت شدت کے ساتھ عام ہو چکی ہے اور وہ یہ کہ 'اسلامی حکومت' کا قیام ایک ایسا فرض ہے جو ہر حال اور ہر قیمت پر فوری ادا کر دینا چاہیے خواہ اس مقصد کے لئے دین کے اور بے شمار فرائض اور مقاصد کو پس پشت ڈال دینا پڑے اور اس فرض کو جیسے کیسے پورا کر دینے کیلئے جتنے مرضی اصول، عقائد اور نظریات قربان کر دینے پڑیں۔

ہم اس سے پہلے بھی بیان کر آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو کچھ اصولوں کی قربانی کے عوض چند سیٹیں یا اقتدار میں کچھ حصہ نہیں بلکہ کلی اقتدار کی پیشکش ہوئی۔ مگر اللہ کے پیغمبر ﷺ نے اس پیشکش کی کوئی تفصیل تک دریافت کرنا گوارا نہ کیا۔

پھر ہم پیچھے یہ بھی بیان کر آئے ہیں کہ جمہور سیاست میں اسلام پسندوں کی شرکت میں عقیدہ کے کون کون سے اصول، نہ چاہتے ہوئے بھی، قربان ہو جاتے ہیں۔

پھر اس میں طرفہ یہ ہے کہ ہم اسلام پسندوں کو آج کسی پورے تو کیا آدھے پونے اقتدار کی بھی کوئی پیشکش ہوئی ہے اور نہ یقین دھانی۔ چند سیٹیں بھی بڑی جان کھپا کر لینی پڑتی ہیں اور ان کیلئے عوام کے نیک و بد، گمراہ اور ہدایت یافتہ سبھی طبقوں کے آگے ''ووٹ'' کیلئے دامن پھیلانا پڑتا ہے۔ پھر بھی اس میں کچھ پڑے نہ پڑے، کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جو سیٹیں مل بھی جائیں تو وہ اسلام لے آنے یا اسلامی حکومت قائم کرنے کیلئے قابل ذکر حد تک فائدہ مند نہیں ہوتیں۔ پھر بھی ان سیٹوں میں سے کوئی امید رہ جائے تو یہ معلوم نہیں ہوتا اسمبلیوں کی عمر کتنی ہے۔ 'اسمبلی' کی بے ثباتی اب شاید یہاں ضرب المثل بننے کے لائق ہو۔

مگر دوسری طرف دیکھئے اللہ کے رسول ﷺ اس قدر زبردست پیش کش پر کیا ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت کا قیام اگر کوئی نیکی ہے تو اس کی تڑپ اللہ کے رسول ﷺ میں ہم سب سے زیادہ ہونی چاہیے۔ پھر پیشکش بھی چند بے وقعت اور 'بے ثبات' نشستوں کی نہیں، کلی اقتدار کی یقینی پیشکش ہے، مگر کسی ادنی ترین حد تک بھی درخور اعتنا نہیں سمجھی جاتی۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرا.

''تم لوگوں کے لئے تو اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ تھا، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے''

اسلامی حکومت کا قیام اگر کوئی مقصد اور ہدف ہے تو اس کے حصول میں بھی ظاہر ہے ہماری رہنمائی اللہ کے رسول ہی

کر سکتے ہیں۔

اسلام پسندوں کی پچاس سالہ جدو جہد اور انتھک و بے مثال محنت جو اس راستے میں کی گئی یہ بات واضح کر دینے کیلئے بہت کافی ہے کہ اس راستے میں اور کچھ بھی ہوا اسلامی حکومت قائم ہو جانے کی اس سے امید رکھنا ایک سراب سے زیادہ نہیں۔ درست ہے کہ بظاہر یہ راستہ بند بھی نہیں ہوتا۔ بہت کم ملکوں میں اسلام پسندوں کو سیدھا اور صاف جواب دیا گیا کہ بھائی آپ اسلام قائم کرنے کا تجربہ کرنے کے لئے پارلیمنٹ میں نہیں آسکتے، زیادہ ملکوں میں تو پارلیمنٹ کے دروازے ہم پر کھلے ہی رکھے گئے ہیں بلکہ خوش آمدید ومرحبا کی صدائیں بھی آتی ہیں اور ہمارا حوصلہ بڑھاتی ہیں۔ ہم اس راستے پر چلتے بھی رہے کبھی رکنے کا نام بھی نہیں لیا۔ الیکشن کم ہونے کا ہمارا گلہ بھی باقی نہ رہنے دیا گیا۔ اسمبلیاں ٹوٹنے اور بار بار الیکشن کرانے کے تجربات یہاں دل کھول کر کئے گئے۔ ہم نے ہر طرح کی پارٹی سے اتحاد کا تجربہ کیا۔ سیاسی قوت کے ساتھ راہ ورسم بنانے کی کوشش کی تاکہ کسی کے ساتھ مل کر اکثریت حاصل کرنے کی مشکل شرط پوری کر لی جائے اور س کے نتیجے میں اسلام آجائے۔ بسا اوقات ہمارا قائم کیا ہوا انتخابی اتحاد رنگ بھی لے آیا اور ہماری ہم خیال جماعتوں کے اتحاد کو اکثریت بھی مل گئی... مگر اسلام ہے جو اس راستے سے آنا تھا اور نہ آیا۔ ہر بار ہمارے ساتھ 'کچھ' ہوجاتا رہا۔ ہم سے کئے گئے وعدے پورے نہ ہوئے اور ہر ظالم ہمیں وقت پر دھوکہ دے جاتا رہا۔ ہم اپنی منزل سے بھی اتنا ہی دور ہیں جتنا آج سے پہلے تھے۔ ایک لحاظ سے ہمیں اپنے مقاصد اب قریب لگنے ہیں تو کسی دوسرے لحاظ سے ہم اپنے ہدف سے اب بھی دور ہیں اور اتنا بھی ہوش نہیں رکھتے جتنا ساتھ اور ستر کی دہائی میں ہم محسوس کر رہے تھے۔

'سراب' کی خوبی یہی ہے کہ یہ ہر دم قریب ہوتی نظر آتی ہے۔ مگر یہ بات بہر حال واضح ہے کہ یہ راستہ ہم پر اگر بند نہیں تو یہ ہمارے لئے بھول بھلیاں ضرور ہے۔ 'بھول بھلیاں' شاید اس راستے سے کہیں خطرناک ہوں جو سیدھا سیدھا 'بند' ہو اس میں آپ چلتے ضرور ہیں مگر پہنچتے کہیں نہیں۔

اگر یہ دو باتیں واضح ہو جاتیں ہیں یعنی یہ کہ (۱) شرعاً یہ راستہ درست نہیں اور (۲) عملاً یہ ممکن نہیں ..تو پھر اس راستے کو بدلنے کی دعوت دی جانے پر یہ اعتراض نہیں ہونا چاہیے کہ 'پھر آخر اسلامی حکومت کیسے قائم ہوگی؟'

اسلامی حکومت قائم ہوتی ہے یا نہیں اور اگر ہوتی ہے تو کب قائم ہوتی ہے، سب کچھ اللہ کے علم میں ہے مگر کسی مثبت سمت کو آگے بڑھنے کیلئے یہ طے ہے کہ اس ہدف تک پہنچنے کیلئے راستہ بہر حال کوئی اور ہے۔ راستہ بدلنا صرف شریعت کا تقاضا ہے بلکہ جیسا ہم نے ابھی واضح کیا، عملا بھی اس کے سوا چارہ نہیں۔

رہ گیا یہ سوال کہ پھر متبادل کیا ہو؟ تو یہ بھی گو ایک طویل موضوع ہے۔ جس کی وضاحت کیلئے زیادہ وقت درکار ہے، مگر یہاں یہ کہہ دینا پھر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نزدیک 'متبادل' کی بحث شروع کرنے سے پہلے 'اہداف' کا تعین اور وضاحت ضروری ہے۔ ہوسکتا ہے 'اسلامی حکومت' کو آپ اپنی تحریک کا سب سے بڑا ہدف سمجھتے ہوں اور ہم 'اسلامی حکومت' کو راستے کے

دوران کی ایک منزل سمجھتے ہوں۔'درمیان کی ایک منزل' قافلے کا کلی موضوع کبھی نہیں بنتی۔یہ منزل کب آتی ہے اور کب آ کر گزر جاتی ہے، یہ بھی ہمارا ایک مسئلہ تو ہے مگر بنیادی اور اساسی مسئلہ نہیں۔

انبیائے کرام نے 'اسلامی حکومت' کے قیام کی دعوت نہیں دی۔'ریاست' کا مسئلہ اپنی دعوت کا کلی موضوع نہیں بنایا سیاسی انقلاب کو اپنی تحریک کا اصل مطمع نظر نہیں ٹھہرایا۔کوئی مسئلہ اٹھایا تو وہ اللہ کی بندگی کا مسئلہ تھا۔کوئی موضوع کھڑا کیا تو وہ اللہ کی پہچان اور اس کے حقوق کو جاننا تھا۔معاشرے میں کسی تنازعے کو ہوا دی تو وہ غیر اللہ کی بندگی اور حاکمیت تھی۔

کتنی آیات ایسی ہیں جن میں اہل ایمان کو 'اسلامی حکومت' کا جلد از جلد قیام عمل میں لانے کی تاکید کی جاتی ہے؟ کتنی احادیث ایسی ہیں جن سے واضح ہو کہ مکی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کا منشور 'تبدیلی حکومت' تھا؟

مگر جب ایسا نہیں تو کیا اس سے یہ مطلب لیا جائے کہ اسلام کو حکومت اور ریاست سے کوئی سروکار نہیں؟ کوئی آپ کو اور اصرار کر کے حکومت دے جائے یا بادل نخواستہ 'ہدیہ' قبول فرمایا جائے اور نہ حد درجہ بے نیازی اور کمال استغنا سے کام لیا جائے اور کار ریاست کو ایک غلط انداز سے زیادہ کسی التفات کے لائق نہ سمجھا جائے!؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ محض کوئی طنز نہیں بلکہ دین کی یہ بھی ایک تعبیر ہے اور زہد و دینداری کی یہ بھی ایک تشریح ہے۔ایک طرف اگر وہ انتہاء ہے جس میں 'دین' کے عنوان سے صبح شام حکومت اور سیاست سے بحث ہے اور انبیاء کی بعثت کا اصل الاصول 'حکومت الٰہیہ کا قیام' اور سب آسمانی کتابوں کا لب لباب 'اسلامی انقلاب' ہے تو دوسری طرف دین کی یہ انتہا پسندانہ تعبیر بھی کچھ کم معروف نہیں کہ اسلام صرف اور صرف 'بندے کے اللہ سے تعلق' کا نام ہے بس یہ نفس کی اصلاح سے بحث کرتا ہے اور ذکر وفکر سے غرض رکھتا ہے۔رہا کاروبار دنیا، معاشرتی فساد، طاغوتوں کی سرکشی، خالق سے بغاوت، انسانوں کا استبداد اور استحصال، تو ان باتوں سے اسلام کو کیا کام!

قرآنی تکرار اور تاکید ہمیشہ سے مفسرین کی توجہ کا مرکز رہا ہے قرآنی تکرار اور تاکید کی آپ اپنے ذہن میں جو کوئی فہرس بنا پائے ہوں اس فہرست میں دیکھئے 'اسلامی حکومت' ترتیب کے اعتبار سے کس نمبر پر آتی ہے۔اس مسئلے کو انی تحریک میں بھی بس وہی نمبر دے دیجئے، نہ کم نہ زیادہ۔خود بخود آپ کی تحریک کا نبوی منہج ہو جائے گا۔تب آپ اسلام کے کسی کام پر اتنی ہی توجہ دیں گے اور اس پر اتنی ہی محنت کریں گے جتنی قرآن آپ کو تاکید کرے گا۔

ہمارا خیال ہے کہ اہداف کا تعین اور فرائض کی درجہ بندی وہ پہلا زینہ ہے جو معاشرے ء میں ایک متوازن تحریکی عمل برپا کرنے کیلئے طے کرنا ضروری ہے۔

تحریکی اہداف اور اجتماعی فرائض کے واضح اور از سر نو تعین کے بعد دوسرا بڑا چیلنج ان اہداف اور فرائض کی بنیاد پر معاشرے کی تربیت ہے۔معاشرے پر اگر کام نہیں کیا جاتا اور ایک طویل محنت معاشرے کی ذہنی، فکری اور اخلاقی حالت تبدیل کرنے پر نہیں کی جاتی اور اس کے نتیجے میں معاشرے کی سماجی اور سیاسی جہت تبدیل کرنے کی خود معاشرے میں ہی ایک بے چینی اور تڑپ پیدا نہیں

کردی جاتی تو سیاسی میدان میں کسی کامیابی سے آپ کوئی خاص امید نہیں رکھ سکتے۔حتی کہ ایسی حالت میں اگر حکومت کی تبدیلی عمل میں آ بھی جائے جو کہ فی الحال ہمیں خیال اور محال نظر آتا ہے،تب بھی معاشرے میں کسی بڑی سطح پر اسلام کے سماجی مقاصد کا حصول ناممکنات میں رہتا ہے۔

معاشرے کی فکری جہت تبدیل کئے بغیر'تبدیلی حکومت' کو اپنا سب سے بڑا ہدف بنانا اور پھر اسے ہر حال میں پانے کے لئے انتخابات کا فوری'متبادل' دریافت کرنا کچھ خاص فائدہ مند نہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس سوال کا براہ راست جواب دینے کی کوشش کرنا اور تبدیلی حکومت کے فوری نسخے ڈھونڈنا یا ان کی عملی تفصیلات میں جانا ہمارے خیال میں اس اصل موضوع سے غیر متعلق ہے۔ہماری ناقص رائے میں سوال اس طرح سامنے رکھا جائے تو کہیں فائدہ مند ہوگا کہ'اس وقت ہمارے کرنے کا کام کیا ہے؟'

چنانچہ اقتدار پاس ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ لازماً ملک میں اسلام ہی لے آئیں گے۔معاشرے کی تربیت اور تیاری اس کا بنیادی پایہ ہے۔اس کے بغیر قتدار کسی بیساکھی سے بڑھ کر کام نہیں دیتا۔یہ ایک شرعی حقیقت بھی ہے اور عمرانی طریقہ بھی۔

لہٰذا حصول اقتدار کیلئے انتخابی سیاست کا متبادل تو آپ تب پوچھیں اگر اقتدار ہی ہر مرض کا یقینی علاج ہو۔تب تو ضرور ہم کوئی ایسا نسخہ تلاش کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کریں جو مختصر ترین وقت میں یہ مقصد پورا کرا دے۔لیکن ایک حقیقی تبدیلی کی جانب راستہ! اگر معاشرے کی تربیت سے ہو کر جاتا ہے تو پھر مرحلہ اقتدار تک پہنچنے کے لئے انتخابی سیاست کا متبادل ابھی دریافت کرنے اور اس متبادل کی تفصیلات میں محنت اور وقت صرف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

☆☆☆☆☆

اسلامی حکومت کے قیام کے بارے میں علامہ مودودیؒ کی رائے

کسی سوسائٹی میں جس قسم کے فکری، اخلاقی، تمدنی اسباب و محرکات فراہم ہوتے ہیں، ان کے تعامل سے اسی قسم کی حکومت وجود میں آتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک درخت اپنی ابتدائی کونپل سے لے کر پورا درخت بننے تک لیموں کی حیثیت سے نشو ونما پائے، مگر بارآوری کے مرحلے پر پہنچ کر یکایک آم کے پھل دینے لگے۔ درحقیقت اسلامی حکومت کسی معجزے کی شکل میں صادر نہیں ہوتی۔ اس کے پیدا کرنے کے لئے ناگزیر ہے کہ ابتداء میں ایک ایسی تحریک اٹھے جس کی بنیاد میں وہ نظریہ حیات، وہ مقصد زندگی، وہ معیار اخلاق، وسیرت و کردار ہو جو اسلام کے مزاج سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس کے لیڈر اور کارکن صرف وہی لوگ ہوں جو اس خاص طرز کی انسانیت کے سانچے میں ڈھلنے کے لیے مستعد ہوں۔ پھر وہ اپنی جدوجہد سے سوسائٹی میں اسی ذہنیت اور اسی اخلاقی روح کو پھیلانے کی کوشش کریں۔ پھر اسی بنیاد پر تعلیم و تربیت کا ایک نیا نظام اٹھے جو اس مخصوص ٹائپ کے آدمی تیار کرے۔ اس سے مسلم سائنٹسٹ، مسلم فلسفی، مسلم مورخ، مسلم ماہرین مالیات و معاشیات، مسلم ماہرین قانون، مسلم ماہرین سیاست، غرض ہر شعبہ علم وفن میں ایسے آدمی پیدا ہوں جو اپنی فکر و نظر کے اعتبار سے مسلم ہوں۔ جن میں یہ قابلیت ہو کہ افکار و نظریات کا ایک پورا نظام اور عملی زندگی کا ایک مکمل خاکہ اسلامی اصولوں پر مرتب کر سکیں، اور جن میں اتنی طاقت ہو کہ دنیا کے ناخدا شناس آئمہ فکر کے مقابلہ میں اپنی عقلی وذہنی ریاست (Intellectual Leadership) کا سکہ جما دیں۔ اس دماغی پس منظر کے ساتھ یہ تحریک عملاً اس غلط نظام زندگی کے خلاف جدوجہد کرے جو گردوپیش میں پھیلا ہوا ہے۔ اس جدوجہد میں اس کے علمبردار مصیبتیں اٹھا کر، سختیاں جھیل کر، قربانیاں دے کر، مار کھا کر اور جانیں دے کر اپنے خلوص اور اپنے ارادے کی مضبوطی کا ثبوت دیں۔ آزمائشوں کی بھٹی میں تپائے جائیں اور ایسا سونا بن کر نکلیں جس کو ہر پرکھنے والا ہر طرح سے جانچ کر بے کھوٹ' کامل المعیار (Finest Standard) سونا ہی پائے۔ اپنی لڑائی کے دوران میں اپنے ہر قول اور ہر فعل سے اپنی اس مخصوص آئیڈیالوجی کا مظاہرہ کریں جس کے علمبردار وہ بن کر اٹھے ہیں۔ اور ان کی ہر بات سے عیاں ہو کہ ایسے بے لوث، بے غرض، راست باز، پاک سیرت، ایثار پیشہ، بااصول، اللہ ترس لوگ انسانیت کی فلاح کیلئے جس اصولی حکومت کی طرف دعوت دے رہے ہیں اس میں ضرور انسان کے لئے عدل وامن ہوگا۔ اسی طرح کی جدوجہد سے سوسائٹی کے وہ تمام عناصر جن کی فطرت میں کچھ بھی نیکی اور راستی موجود ہے اس تحریک میں کھنچ آئیں گے، پست برت لوگوں اور ادنیٰ درجہ کے طریقوں پر چلنے والوں کے اثرات اس کے مقابلہ میں دبتے چلے جائیں گے، عوام کی ذہنیت میں ایک انقلاب رونما ہوگا، اجتماعی زندگی میں اس مخصوص نظام حکومت کی پیاس پیدا ہو جائے گی، اور اس بدلی ہوئی سوسائٹی میں کسی دوسرے طرز کے نظام کا چلنا مشکل ہو جائے گا، جس کے لئے اس طور پر زمین تیار کی گئی ہو، اور جوں ہی وہ نظام قائم ہوگا، اس کو چلانے کے لئے ابتدائی اہلکاروں سے لے کر وزراء اور نظماء تک ہر درجہ کے مناسب کل پرزے اس نظام تعلیم و تربیت کی بدولت موجود ہوں گے

جس کا ذکر ابھی میں کر چکا ہوں۔

یہ ہے اس انقلاب کے ظہور اور اس حکومت کی پیدائش کا فطری طریقہ جس کو اسلامی انقلاب اور اسلامی حکومت کہا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

محمد قطب کی رائے

چلیں کچھ دیر کے لئے فرض کر لیتے ہیں کہ عالم اسلام کے کسی خطے میں جذباتی نوجوانوں کا کوئی گروہ کوئی ایسا کامیاب منصوبہ بنالیتا ہے اور اس کلی بناء پر 'انقلاب' بھی لے آتا ہے اور اسلامی حکومت بھی قائم کر دیتا ہے.....سوال یہ ہے کہ اس انقلاب کو سہارا کہاں سے ملے گا؟!

بطور مثال مصر ہی کو لیں۔ ہم اس کتاب میں مصر کے اسلامی 'تجربہ' پر اس سے پہلے بات کر چکے ہیں۔ اس وقت پورے عالم اسلام میں سب سے مضبوط اسلامی تحریک بلاشبہ مصر ہی میں پائی جاتی ہے۔ مگر کیا یہ تحریک بھی اپنی موجودہ حالت میں اسلامی اقتدار کو معاشرے کے اندر سے وہ مطلوبہ سہارا فراہم کر سکتی ہے اور کسی متوقع صلیبی، صہیونی جارحیت سے دفاع کرنے میں ہر قسم کے حالات سے نبرد آزما ہو سکتی ہے؟

حتی کہ ہم یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ امریکہ براہ راست کوئی حملہ کرنے نہیں آتا جس کی کہ امریکی عزائم سے زیادہ تر توقع رکھنی چاہیے۔ حتی کہ امریکہ اسرائیل کو بھی اس حملہ کرنے کے لئے نہیں اکساتا جس کا کہ ہمیشہ اور ہر وقت ہی امکان ہے....ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا بس صرف مصر کو گندم کی سپلائی بند ہو جاتی ہے!

مصر کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے کیا خیال ہے کہ مصری قوم اسلام کے اقتدار کے قائم رہنے کے خاطر آخری لمحے تک بھوک برداشت کرنے پر تیار ہو جائے گی؟ یا آپ کے خیال میں کچھ ہی دنوں بعد مظاہرے ہونے لگیں گے !؟ اشتراکیت پسند، سیکولر اور لادین جب سڑکوں پر آئیں گے تو ان کے پیچھے بھوک کے مارے عوام بھی 'روٹی' اور 'آزادی' کے نعرے لگاتے نکل آئیں گے؟

حقیقت پسندی کے بغیر چارہ نہیں۔ یہ مانے بغیر مفر نہیں کہ ایسی کوئی معاشرتی بنیاد ابھی موجود ہی نہیں جو اتنے مطلوبہ حجم کو پہنچ چکی ہو۔

ذرا دیر کیلئے چلئے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ پارلیمنٹ میں سو فیصد اسلام پسند اکثریت لے آنے میں کامیابی حاصل کر لی جاتی ہے اور پارلیمنٹ کے سب ارکان اللہ کی شریعت کا نفاذ چاہنے والے آجاتے ہیں۔ اب اگر نیچے معاشرے پر اثر انداز ہونے والی وہ

''قوت'' نہ ہو جو اسلامی اقتدار کیلئے اصل سہارا فراہم کرنے کے لئے ناگزیر ہے۔ایسی کوئی معاشرتی اور تربیتی بنیاد جو اسلام کے اقتدار کو وجود میں لانے اور پھر برسر وجود رکھنے کے لئے ضروری ہے اگر نہ ہو تو اس کے بغیر یہ پارلیمنٹ کیا کرے گی؟

ایک فوجی انقلاب پارلیمان کو برخواست کر کے اسلام پسند ارکان پارلیمنٹ کو جیلوں میں ٹھونس دے اور سب کیا دھرا وہیں کا وہیں رہ جائے.....کیا ناممکن ہے؟

چاہے ایسا منہج اختیار کرنے کی کوئی بھی وجوہات ہوں مگر اس کی کامیابی کا خیال محض سادہ خیالی ہے۔اس سے بڑھ کر اس میں بہت سے شرعی نقصانات مضمر ہیں اور یہ اتنے بڑے بڑے نقصانات ہیں جو دعوت کے دل میں جا کر لگنے والے تیر کے مترادف ہیں اور باوجود اس کے بظاہر یہ چیز دعوت کو ایک بڑا میدان ملنے اور اسے تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے میں مدد دیتی نظر آتی ہے مگر حقیقت میں یہ دعوت ہی کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔

سب سے پہلا نقصان تو یہ ہے کہ یہ عقیدے کے ساتھ متعارض ہے۔

ایک مسلمان جسے اس کے دین کا حکم ہے کہ انسانی زندگی کے ہر مسئلہ کا فیصلہ صرف اور صرف اللہ کی شریعت سے کرائے ، جسے اس کا دین بتائے کہ اللہ کی حکمرانی کے سوا حکمرانی کی ہر قسم جاہلیت ہے اسے نہ قبول کرنا جائز ہے، نہ اس پر رضامند ہونا اور نہ اس میں شریک ہونا......ایک ایسے مسلمان کے لئے آخر یہ کیونکر جائز ہوگا کہ وہ ایک ایسے ایوان میں شمولیت رکھے جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کی بجائے خود قانون صادر کرنا اپنے لئے روا رکھتا ہے اور جو مجموعی طور پر اپنے عملی رویے سے ہر موقع پر بانگ دہل یہ اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ اسے ہر ہر معاملے میں اللہ سے فیصلہ کروانا قبول نہیں!؟

اس کے لئے کیونکر جائز ہے کہ وہ ایسے ایون میں شرکت کرے؟ کجا یہ کہ وہ اس سے حلف وفاداری اٹھائے ،اس کی پاسداری کا عہد کرے،اور اس دستور کا بھی بھی حلف اٹھائے جس سے یہ ایوان اپنے وجود کیلئے وجہ جواز حاصل کرتا ہے؟ جبکہ اللہ فرماتا ہے:

''وقد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بھا ویستھزأ بھا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ، انکم اذن مثلھم'' (النساء:۱۴۰)

''اللہ تمہیں اس کتاب میں اس سے پہلے بھی یہ حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر ہو رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہاں نہ بیٹھو جب تک یہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی انہی کی طرح ہو''۔

اس منہج کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ اسلام کا جاہلیت کے ساتھ جو اصل تنازع ہے عوام کی نظر میں اسے بے جان اور حاشیائی کر دینے کا سبب بنتا ہے...

اس منہج کو اپنانے کا تیسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ سیاست کا یہ کھیل ۔جیسا کہ تجربات نے ثابت کر دیا ہے، ایک ایسا کھیل ہے جس میں کمزور کھایا جاتا ہے اور طاقتور اسے نگلتا ہے۔اس میں کمزور کے لئے ایسا کوئی موقع نہیں رہنے دیا جاتا کہ وہ طاقتور کو کسی وقت غافل پا کر اور اس آنکھ بچا کر اس کے ہاتھ سے اقتدار لے جائے!

سیاست کے اس کھیل میں حقیقت یہ ہے کہ ضعیفی اور طاقتوری کا 'حق اور باطل' کے مسئلے سے بالکل کوئی تعلق نہیں ۔حتیٰ کہ آپ یقین کریں گے کہ اس کا کثرت اور قلت سے بھی کوئی تعلق نہیں!

اور ایسا تو سیاست کے اس کھیل میں آج تک کبھی ایک بار بھی نہیں ہوا کہ کوئی کمزور طبقہ یہاں انظمام امور کا مالک بن بیٹھا ہو اور اس طاقتور دشمن کا شروع کیا ہوا کھیل کسی کمزور نے جیت لیا ہو۔پہیا گھومتا ضرور ہے مگر پہیا ہاتھ میں آجانے سے گاڑی کا کنٹرول نہیں ملتا۔ہاں جہاں سے گاڑی کے سب پرزے چلتے ہیں وہاں سے پہیوں کو بھی گھما لیا جاتا ہے!

رہا یہ سوچنا کہ جاہلیت کو غافل پا کر اسلام پسند پارلیمان میں چپکے سے اقتدار کی سیڑھیاں چڑھتے چلے جائیں گے اور حکمران طبقوں کی آنکھ بچا کر کسی دن اقتدار ہاتھ میں کرلیں گے اور یوں اسلام کی حکومت قائم ہو جائے گی تو اس انداز فکر کو سادہ خیالی کہہ دینے سے بھی اس کی پوری تصویر کشی ممکن نہیں! الجزائر میں جو کچھ ہوا، میں سمجھتا ہوں ہمارا یہ وہم دور کر دینے کے کیلئے وہ بہت کافی ہے۔اس کے بعد بھی کسی کے ذہن میں کوئی ایسا وہم باقی ہے تو حقائق کی دنیا میں اس کی بہر حال کوئی گنجائش نہیں۔

(ماخوذاز واقعنا المعاصر صفحہ ۴۳۶-۴۴۳)

☆☆☆☆☆

شیخ البانی کا فتویٰ

جمہوریت کا حکم

جمہوریت کے بانی اور علمبردار اس کی تعریف یوں کرتے ہیں: عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لئے، اور یہ کہ سب اختیارات Mandate and Power کا سرچشمہ عوام ہیں ۔اس لحاظ سے جمہوریت اسلام کی شریعت اور اسلام کے عقیدہ کے منافی اور ضد ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ان الحکم الا للہ......﴾(یوسف:۴۰)

ترجمہ: ''حکم وقانون چلانا صرف اللہ کا حق ہے''۔

''ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون''(المائدہ ۱۰۶)

ترجمہ:''اور جواللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ کرے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں''۔

''ام لهم شر كاء شرعوا لهم من الد ين ما لم ياذن به الله ''(الشوریٰ:۲۱)

ترجمہ: کیاان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا''۔

''فلا وربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم''(النساء۶۵)

ترجمہ:''تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ تب تک مومن نہیں ہونگے جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں''۔

''ولا یشرک فی حکمه احد ا''(الکہف:۲۶)

ترجمہ:''اور وہ (اللہ تعالی) اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا''۔

ہمارا دعوت الی اللہ کا طریق کار جو سب کو جان لینا چاہیے

۱۔ فہم سلف کی بنیاد پر کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت دیتے ہیں۔

۲۔ ہم اپنا یہ اہم ترین دینی فریضہ سمجھتے ہیں کہ درآمد شدہ افکار اور درآئندہ بدعات کا مقابلہ علم نافع اور دعوت الی اللہ کے ساتھ کیا جائے اس کے لئے بیداری پیدا کی جائے۔عقائد اور مفہومات درست کئے جائیں اور اس پر مسلمانوں کی وحدت مجتمع ہو۔

۳۔ ہم سمجھتے ہیں تختے الٹنا قاتلانہ حملے اور فتنے امت کی ضرورت نہیں، بلکہ امت کی ضرورت یہ ہے کہ اس کو ایمانی تربیت دی جائے اور فکر کو صاد ستھرا بنایا جائے،امت کی اپنی شوکت رفتہ اور عظمت کی راہ پر پھر سے گامزن کرنے کے لئے یہی سب سے کامیاب ذریعہ ہے،